خیابانِ رضا

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

مشاہیر کی نظر میں



مرتبہ

محمد مرید احمد چشتی



پبلشرز

عظیم پبلی کیشنز ۔ لاہور (پاکستان)

خیابانِ رضا

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

مشاہیر کی نظر میں



مرتبہ

محمد مرید احمد چشتی



پبلشرز

عظیم پبلی کیشنز ○ لاہور (پاکستان)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب ——— خیابانِ رضا

مرتب ——— محمد مرید احمد چشتی

افتتاحیہ ——— پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

حرفِ اول ——— سید نور محمد قادری

پروف ریڈنگ ——— ظہور الدین خان

صفحات ——— ۱۳۶

طباعت بارِ اول ——— رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ / جولائی ۱۹۸۲ء

تعداد ——— ایک ہزار

ناشر ——— عظیم پبلی کیشنز، لاہور

باہتمام ——— سہیل احمد منہاس

مطبع ——— تاج الدین پرنٹرز، لاہور

قیمت ——— بارہ روپے

ملنے کا پتا

عظیم پبلی کیشنز، پوسٹ بکس نمبر ۱۹۹۶، لاہور

فون: ۴۱۹۵۷۷، تار: نفاست

اہدا

مرشدی مولائی شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین

زیب سجادہ سیال شریف دامت برکاتہم العالیہ

کے حضور

گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد مرید احمد

خیابانِ رضا

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ
مشاہیر کی نظر میں

مرتبہ

محمد مرید احمد چشتی

پبلشرز

عظیم پبلی کیشنز ۔ لاہور (پاکستان)

ترتیب

فہرست تأثرات

نمبر شمار	شخصیت	صفحہ نمبر
	۱۱۸

ہدیہ عقیدت

حضرت احمد رضا خاں اہل سنت کا امام — فخر ارباب طریقت صاحب علم الکلام
عشق و مستی کا حدی خواں زہد و تقویٰ کا امیر — جدت و ندرت کے پیکر میں کلام دلپذیر
نکتہ دان شعر و انشا و مکتب فکر و نظر — خدمت دین محمدؐ روز و شب شام و سحر
پرتو نور بصیرت اس کا رنگ شاعری — اس کی نعتوں میں روانی کوثر و تسنیم کی
وہ بلاد ہند میں تھا نعت گویوں کا امام — بچے بچے کی زباں پر اس کی نعتیں اور سلام
بادۂ توحید سے لبریز پیمانہ رہا — عمر بھر شمع رسالت کا وہ پروانہ رہا
طرح تو ڈالی ہے اس نے نعت کی تسوید میں — شاعران خوشنوا ہیں آج تک تقلید میں
گلشن شعر و نوا کا کھل کھلاتا ایک پھول — خادم دین محمدؐ اور مداح رسول

اک مفسر تھا کہ نکتہ آفریں جس کا قلم
اس فضا میں مدتوں لہرائے گا اس کا علم

عبدالکریم ثمر

نواب میرزا داغ دہلوی

مولانا احمد رضا خاں کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا "مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔"

ماہر القادری ــ ماہنامہ فاران، کراچی، ستمبر ۱۹۷۳ء، ص ۴۵، ۴۴

عرض ناشر

۱۹۷۹ء میں جب "عظیم پبلی کیشنز" کا ادارہ وجود میں آیا تو دین حنیف کی خدمت اور تاریخ اسلامی کو بالعموم اور تحریک پاکستان کی تاریخ کو بالخصوص "گرد و غبار" کی آلودگیوں سے پاک کر کے اسلامیان پاکستان کے سامنے پیش کرنے کا عظیم اور مقدس مشن ہمارا منشور و مقصود ٹھہرا۔

ہم اس بڑے کام کا آغاز اس صدی کے رجل عظیم ــــ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین و ملت، امام اہل سنت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی بلند و بالا شخصیت پر ایک کتاب سے کرنا چاہتے تھے۔ حکیم ملت جناب حکیم محمد موسیٰ دام برکاتہ صدر مرکزی مجلس رضا، لاہور نے ہمارے شوق کی دستگیری کی اور "خیابان رضا" کا مسودہ مرحمت فرمایا۔

یہ کتاب محترم محمد مرید احمد چشتی کی دو سالہ مسلسل محنت و کاوش کا ثمر ہے جس میں ملک کے ممتاز ترین سکالرز، اہل علم و صاحب الرائے حضرات کے تاثرات اس نابغۂ روزگار ہستی کے متعلق جمع کیے گئے ہیں جس کی خدمات یقیناً ان تمام تر خراج ہائے عقیدت و تحسین سے بہت بالا و والا ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ کتاب میں شامل ہر شخصیت کے تاثرات اپنی جگہ بے حد اہمیت و افادیت کے حامل ہیں۔ تاہم جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے پر مغز افتتاحیہ اور جناب سید نور محمد قادری کے مبسوط حرف اول نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔

فاضل مرتب کے پیش لفظ اور جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے افتتاحیہ پر رقم تاریخیں شاہد ہیں کہ کتاب ۱۹۷۶ء میں ترتیب پا چکی تھی۔ گویا اسے شرمندۂ اشاعت ہونے میں چھ سال کا طویل عرصہ لگا اور اس دوران بہت سے صاحبان تاثرات داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ جن کی زندگی میں کتاب کا چھپ جانا یقیناً زیادہ مستحسن اور سود مند ہوتا۔

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ؎

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی ہوگا

ہماری معلومات کے مطابق شروع میں خود مرکزی مجلس رضا اس کتاب کو شائع کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ مکتبہ رضویہ، لاہور کی خواہش پر مسودہ ان کے حوالے کیا گیا۔ جنہوں نے چند صفحات کی کتابت بھی کروالی تھی کہ ہم نے باصرار اسے حاصل کرلیا۔ بس یہیں سے ہماری بے بسی کی داستان شروع ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہم جس کاتب کے ہتھے چڑھے وہ کتاب تو ایک طرف، مسودے پر یوں سانپ بن کر بیٹھ گیا کہ ہمارے لیے ــــــ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا ــــ مضمون ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک ہزار دن سے زیادہ طویل انتظار کے بعد بالآخر کاتب تقدیر کو ہماری حالت زار پر رحم آیا اور ایک دوسرے خوش نویس کی عنایت سے ہم کاتب مذکورہ کے چنگل سے آزاد ہوئے۔ اس سلسلہ میں جناب ظہور الدین خاں کی کاوشوں کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہیں۔

ہمارا مقصد محض "گزارش احوال واقعی" ہے ورنہ ہم کاتب موصوف کی شہرت کو کسی طرح نقصان پہنچانا نہیں چاہتے یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کے نام کا تذکرہ بھی مناسب نہیں سمجھا۔

اس طویل ترین تاخیر کے لیے ہم قارئین کے ساتھ ساتھ فاضل مرتب جناب محمد مرید احمد چشتی، ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، حکیم ملت حکیم محمد موسیٰ صاحب، سید نور محمد قادری صاحب اور جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب سے بے حد معذرت خواہ ہیں۔

جمعۃ المبارک ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ
ــــــ ۹ جولائی ۱۹۸۲ء

حافظ محمد اراھیم
بی۔ اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ
ناظم، عظیم پبلی کیشنز، لاہور

افتتاحیہ

از
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

عزیز گرامی مولانا محمد مرید احمد چشتی سیالوی سلمہ اللہ تعالیٰ جوان صالح ہیں، ۱۹۵۲ء میں ملازمت ہوئی اور آجکل گورنمنٹ پرائمری اسکول پنڈ دادنخاں (ضلع جہلم، پنجاب) میں نائب مدرس کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں گو کام وہ کر رہے ہیں جو ہمارے کالج اور یونیورسٹی کے اساتذہ کو کرنے چاہئیں۔ موصوف نے جس لگن اور ذوق و شوق سے یہ علمی ذخیرہ جمع کیا ہے اس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دینی اور دنیوی ترقیوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

پیش نظر مجموعے میں حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یگانوں اور بیگانوں سب ہی کے تاثرات شامل ہیں لیکن اہم ترین حصہ وہ ہے جو بیگانوں کے تاثرات پر مشتمل ہے جن لوگوں نے فاضل بریلوی کو قریب سے دیکھنے کی کوشش نہیں کی وہ ان تاثرات کی روشنی میں ان کی شخصیت کا مطالعہ کریں اور فیصلہ خود فرمائیں کہ کیا فاضل بریلوی اسی لائق ہیں کہ ان کو فراموش کر دیا جائے اور ان سے منہ پھیر لیا جائے؟

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈے کی وجہ سے اکثر دانشور آپ کی شخصیت سے کما حقہ متعارف نہیں، راقم کے حلقۂ احباب میں علماء و فضلاء، محققین و دانشور اور افسران وغیرہ سب ہی ہیں، اکثر حضرات کو بے خبر پایا، یہ بے خبری دیکھ کر تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی اپنی سی کوشش کی اور پاک و ہند نیز بیرونی ممالک میں فاضل بریلوی کو جدید حلقے میں متعارف کرایا اور ایک حد تک غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقعہ پر ایک فاضل جلیل کے تاثرات پیش کرتا چلوں۔ راقم نے اپنا تحقیقی مقالہ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۳ء) مولانا مفتی محمد مکرم احمد صاحب (دہلی) کو بھیجا تو موصوف نے شرح صدر محسوس کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تاثرات کا اظہار فرمایا:۔

سنا میں نے بھی یہی تھا کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت سخت مزاج اور کرخت لہجے کے تھے۔ موصوف کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتا تھا، ان کا غائبانہ احترام ضرور دل میں تھا، لیکن معاصرین علمائے دیوبند سے علمیت اور فقاہت میں ان کا درجہ کم سمجھتا تھا، آج میں نے آپ کا تحقیقی مقالہ ابتدا تا اکمال پڑھ لیا تو سارے غلط فہمیوں کے پردوں کو زائل ہوتا دیکھ کر خوشی ہوئی، اس نعمت جلیلہ پر اپنے محسن حقیقی جل مجدہ کا شکر ادا کیا، آپ کے اور مجلس رضا کے لیے دل سے دعائیں نکلیں، اس مقالے کے مطالعے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے میرا جذبۂ خلوص اور محبت بہت بڑھ گیا اور مجھے اس پر فخر عظیم محسوس ہو رہا ہے، مولانا سید محمد علوی مالکی قاضی القضاۃ مکہ معظمہ حرسہا اللہ کا فرمانا حبه علامة السنة وبغضه علامة البدعة بہت معنی خیز اور پرمفہوم ہے

فاضل جلیل آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طرز استدلال کو دیکھ کر طبیعت دنگ رہ گئی، کتنی صاف ستھری عبارت، نہ کسی پر اعتراض اور نہ چوٹ، بغیر کسی الجھن بات کو سمجھاتے چلے جا رہے ہیں، سبحان اللہ! حقیقت یہ ہے کہ آپ میں وہ خوبیاں پائی جاتی تھیں کہ آپ کو مجدد مأتہ حاضرہ کہا جاتا، بے شک مولانا احمد رضا خاں صاحب ایک جلیل القدر والمنزلت عالم باعمل تھے، اللہ تعالےٰ نے ان کے اندر وہ صفات عالیہ ودیعت کی تھیں جس کی اس زمانے میں ضرورت تھی، عقل حیران و پریشان ہے کہ معاصرین علمائے دیوبند نے آپ کی شخصیت کو کس بے دردی، احسان فراموشی اور غیر عالمانہ انداز میں قعر گمنامی میں گرا دیا!

(مکتوب محررہ ۳ رجب ۹۳ھ از دہلی)

ان تاثرات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ علمی حلقوں میں فاضل بریلوی کے خلاف کس قدر غلط فہمیاں پھیل چکی تھیں، اگر کوشش کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ غلط فہمیاں زائل نہ ہوں، کیونکہ ان کی بنیاد بہت ہی بودی ہے۔

پیش نظر مجموعے سے قبل تقریباً اسی موضوع پر جناب مولانا قاضی عبدالنبی کوکبؒ صاحب (شعبہ علوم شرقیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور) نے مقالات یوم رضا ترتیب دے کر ۱۹۷۰-۷۱ء میں تین مجلات میں لاہور سے شائع کیے۔ اس کے بعد جناب مقبول احمد صاحب (مرکزی مجلس رضا، لاہور) نے پیغامات یوم رضا ترتیب دیے جو ۱۹۷۲ء میں لاہور ہی سے مرکزی مجلس رضا نے شائع کیے — مجلس مذکورہ نے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ پر بہت مفید لٹریچر شائع کیا ہے اور پاک و ہند نیز بیرونی ممالک میں اس کو پھیلا کر ایک ایسے طبقے میں فاضل بریلوی کا تعارف کرایا جو اس سے پہلے نابلد تھا، فی الحقیقت یہ بہت بڑا کام تھا جو بانی مجلس رضا محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری زید مجدہ کے اخلاص اور لگن کی وجہ سے بہت تھوڑے وقت میں ہو گیا اور برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے۔ مگر فضلاء اور دانشور ہنوز ایک محقق اور مبسوط سوانح کے انتظار میں ہیں چنانچہ جناب شیخ امتیاز علی صاحب (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، لاہور) نے فاضل بریلوی کی سیاسی بصیرت، علمی اور نعت گوئی کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ فاضل بریلوی کے ارادت مندوں کا حلقہ وسیع ہوتے ہوئے بھی، ان کی شخصیت اور دینی خدمات پر کوئی مستقل تصنیف مرتب نہ ہو سکی (محررہ ۱۱ مارچ ۱۹۷۶ء) اسی طرح مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی اس طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

مرحوم کی علمی خدمات سے عامۃ المسلمین کو روشناس کرائیں۔

(مکتوب محررہ ۲۵ نومبر ۱۹۷۵ء)

دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

۱؎ افسوس کہ اہل سنت کا سرمایہ عالم جولائی ۱۹۷۵ء میں راہی ملک عدم ہوا (ادارہ)

ان کی ثبت عالمانہ و فقیہانہ افکار کی اشاعت کریں بحالت موجودہ اس چیز کی زیادہ ضرورت ہے۔ (مکتوب محررہ ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء)

ایک اور عالم جلیل فاضل جامعہ ازہر (مصر) حضرت زید ابوالحسن مجددی فاروقی مدظلہ العالی (سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ، دہلی) کے تاثرات بھی مطالعہ فرماتے چلیں۔۔۔ موصوف نے مسلک دیوبند کے مشہور مفتی مولانا محمد کفایت اللہ کے مجموعہ فتویٰ کفایت المفتی پر اظہار خیال فرماتے ہوئے فرمایا:۔

مولانا حفظ الرحمٰن واصف نے جو کفایت المفتی مرتب کرکے چھاپی ہے، میرے لیے بیکار ہے چونکہ مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتاویٰ کے ساتھ کتابوں کے حوالے نہیں ہیں، کیا خبر مفتی صاحب ٹھیک کہتے ہیں یا غلط! ان کی بات بغیر حوالے کے میں کیسے مان لوں؟ ۔۔۔۔ دوسری طرف مولانا احمد رضا خاں صاحب کے فتوے مدلل ہوتے ہیں، ان کے فتاوے کی مطالعے سے ان کے بحر زخار ہونے کا علم ہوتا ہے اور ان کے فتاوے کے مطالعے سے بیسیوں کتابوں کے نام یاد ہو جاتے ہیں، ان کا درجہ، جہال نے جو متعین کر لیا ہے اس سے بحث نہیں، ان کی علمیت اور تفقہ کا ان کے دور میں نظیر نہیں ملتا۔

(بحوالہ مکتوب مفتی محمد مکرم احمد از دہلی محررہ ۱۸ دسمبر ۱۹۷۵ء)

مندرجہ بالا خیالات اور تاثرات کی روشنی میں نہ صرف فاضل بریلوی کے متبعین بلکہ سلسلۂ عالیہ مجددیہ اور علمائے دیوبند پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ آپ کی علمی خدمات سے عالم اسلام کو متعارف کرائیں اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی سعی کریں جو علمی سطح پر پھیل چکی ہیں اور پھیلائی جا رہی ہیں۔

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت بڑی پر اثر تھی اور بقول مولانا محمد احمد مصباحی (حق اکیڈمی، مبارک پور، یو۔پی) وہ اسلامی اخلاق و اعمال کا انسائیکلوپیڈیا تھے۔۔۔۔

فاضل بریلوی کی شخصیت کی یہ نہایت ہی جامع تعریف ہے ۔۔۔۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم ان کے معاصرین میں سے تھے، موصوف نے معاصر علماء کے خاکے لکھے ہیں، فاضل بریلوی کا خاکہ جو لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

درمیانہ قد، دبلا بدن، گندمی رنگ، گنجان اور بڑی داڑھی، متین اور سنجیدہ چہرہ، ستر برس کی عمر میں انتقال کیا، بریلی میں رہتے تھے، بہت با اثر عالم مانے جاتے تھے، صوفیانہ مشرب تھا، رنگون، کلکتہ، بمبئی، کراچی وغیرہ میں انکے مرید و معتقد ہیں۔

(بحوالہ کتابی دنیا، جنوری ۱۹۶۶ء، کراچی، ص ۴۰)

اور مشہور ادیب و نقاد نیاز فتحپوری نے بھی فاضل بریلوی کو دیکھا تھا، موصوف اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

مولانا احمد رضا خاں کو دیکھ چکا ہوں، وہ غیر معمولی علم و فضل کے مالک تھے، ان کا مطالعہ وسیع بھی تھا اور گہرا بھی، ان کا نورِ علم ان کے چہرے بشرے سے ہویدا تھا، فروتنی و خاکساری کے باوجود ان کے روئے زیبا سے حیرت انگیز حد تک رعب ظاہر ہوتا تھا ۔۔۔۔

(بحوالہ ترجمان اہلسنت، کراچی، شمارہ دسمبر ۱۹۷۵ء، ص ۲۷)

پیش نظر مجموعۂ تاثرات میں فاضل بریلوی کی شخصیت کو مختلف زاویوں سے دیکھا گیا ہے ۔۔۔۔ پاکستان کے مشہور صحافی جناب رئیس احمد امروہوی نے خوب لکھا ہے:۔

ایسی کمیاب شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں، عہد آفریں بھی

(محررہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۶ء)

اور جناب پروفیسر سید محمد عارف صاحب (گورنمنٹ کالج، بہاولپور) نے فاضل بریلوی کو ایک ایسی شخصیت قرار دیا ہے جس کے انقلاب انگیز اور فکر خیز خیالات سے ثبت کردہ صفحات میں غلغلہ ڈال

برپا کر دیا (محررہ ۱۹ جنوری ۱۹۷۶ء)

....— اور جناب صاحبزادہ سید محمد فاروق القادری نے اسی خیال کو نہایت خوبصورتی سے اس شعر میں سمو کر رکھ دیا ہے ؎

شورش عندلیب نے روحِ چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں

جناب پروفیسر محمد منور صاحب (گورنمنٹ کالج لاہور) نے جراتِ کردار کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے :-

خالی علم تسلی نہیں دیتا ——— اسے وجدان کا سہارا چاہیے ——
وجدان منزلِ یقین پر پہنچاتا ہے اور یقین مجاہد و شہید بناتا ہے ——— خالی علم جو سراپا دماغ ہو نہ اصول عطا کرتا ہے نہ معیار ، پھر جراتِ کردار کہاں سے لائے ؟

(محررہ ۴ مئی ۱۹۷۵ء)

فاضل بریلوی کے بعض معاصرین میں جراتِ کردار کے فقدان کی یہی وجہ تھی کہ ان کو علم کے ساتھ وجدان کی دولت نہیں ملی تھی ——— لیکن فاضل بریلوی صاحبِ علم و وجدان تھے اسی لیے مجاہد بھی اور شہید بھی ——— شہید محبت ! .... اور یہی وجدان (یقین) اور اخلاقی و علمی جرات تھی جس نے فاضل بریلوی کو معاصرین میں نہایت ممتاز کر دیا تھا ، چنانچہ ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب سابق شیخ الادب جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے ان الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے :-

ان کے دیوبندی مخالفین میں سے کوئی بھی ان کے لگے کا نہ تھا ، چہ بلحاظ علم ، چہ بلحاظ تقویٰ و پرہیزگاری اور چہ بلحاظ ایک ادیب کے ——— القصہ ہر پہلو اور ہر لحاظ سے مخالفین پر بھاری تھے ۔ (محررہ ۱۹ ، فروری ۱۹۷۶ء)

ممکن ہے کہ بعض کو یہ کلمات مبالغہ آمیز معلوم ہوں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ فاضل بریلوی کی خدمات ہمہ گیر ہیں ، ان کی شخصیت نے تن تنہا اپنے دور اور آنے والے ادوار کو اتنا متاثر کیا کہ شاید کوئی دوسرا معاصر اتنا متاثر نہ کر سکا ، ڈاکٹر وحید قریشی (صدر شعبۂ اردو ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور) نے صحیح لکھا ہے :-

انھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ علماء دین کی ایک پوری جماعت کو متاثر کیا ۔ (محررہ ۱۳ مارچ ۱۹۷۶ء)

فاضل بریلوی کی دینی خدمات کے ایک پہلو کو نہایت گھناؤنے انداز میں پیش کیا جاتا ہے یعنی فتاویٰ تکفیر ——— اس کی حیثیت اگرچہ خالص فقہی اور قانونی ہے لیکن خواہ مخواہ شخصیت کو اس میں ملوث کیا گیا ہے ، چنانچہ خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں :-

دیوبندی گروہ کے سب سے بڑے حریف تھے ، کفر کا فتویٰ دینے میں بڑی مہارت تھی ، ایک شخص کو ایک گناہ کے عوض کئی کئی ہزار کے فتوے دیتے تھے اور عجیب و غریب باریکیاں کفر سازی کی ان کے ذہن میں آتی تھیں ؎

(کتابی دنیا ، کراچی ، جنوری ۱۹۷۶ء ، ص ۲۰)

لیکن اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا جائے تو فاضل بریلوی سے کچھ ہی قبل عرب و عجم میں ایسے حضرات نظر آتے ہیں جنھوں نے تکفیرِ مسلم میں نہ صرف جوش و جذبہ دکھایا بلکہ ہزاروں لاکھوں کو تہ تیغ کرایا ——— اور سرزمینِ عرب میں اب بھی ایسے حادثات نظر آتے ہیں جن کی ہم کو خبر تک نہیں ——— تو اگر فاضل بریلوی کو فتاویٰ تکفیر کی وجہ سے متہم کیا جا سکتا ہے تو ان حضرات کو کس بنا پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے جن کی

؎ خواجہ حسن نظامی نے جب [illegible] کو سجدۂ تعظیمی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

گرد میں خونِ مسلم کے بارِ گراں سے جھکی جا رہی ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ فاضل بریلوی نے معصوم اور انجان مسلمانوں کے خلاف فتویٰ تکفیر نافذ نہیں کیا، جیسا کہ اس سے پہلے کیا جا چکا تھا؛ بلکہ معدودے چند باہوش اور باشعور انسانوں کی گرفت کی اور جب اتمامِ حجت کیا جا چکا اور اصلاح کے سارے راستے بند ہو گئے تو شرعی فیصلہ نافذ کیا، اور یہ وہ فرض تھا جو بحیثیت ایک عالمِ دین ان پر عاید ہوتا تھا۔ اگر ایک جج کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی پاداش میں مطعون کیا جا سکتا ہے تو پھر فاضل بریلوی کو بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن کوئی ایسا معقول انسان نظر نہیں آتا جو فرائض کی ادائیگی کو جرم قرار دے۔ اس سلسلے میں مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری کی رائے نہایت ہی وقیع ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

اگر بعض بے ادبانہ کلمات کو جوشِ توحید پر محمول کیا جا سکتا ہے تو تکفیر کو بھی محبت و ادب کا تقاضا قرار دیا جا سکتا ہے، اسی لیے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کو میں اس معاملے میں معذور سمجھتا ہوں لیکن یہ حق صرف اس کے لئے مخصوص جانتا ہوں جو فاضل موصوف کی طرح عاشق الحب والادب ہو۔

(محررہ ۲ نومبر ۱۹۷۵ء)

فاضل بریلوی معقولات خصوصاً فنونِ ریاضی میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور جو اس میں مہارت رکھتا ہے وہ مشکل ہی سے عاشق ہوتا ہے، چنانچہ آپ کے معاصرین اور آپ سے پہلے ایسے حضرات گزرے ہیں، معقولات نے جن کو کہیں کا نہ رکھا بلکہ نامعقول بنا دیا ——— لیکن فاضل بریلوی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے عشق ! علوم و فنون کے مسموم اثرات سے دل کو محفوظ رکھا اور نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ وہ جلا دی کہ ہزاروں، لاکھوں کے دل چمکا دیئے۔ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز

ان کی تصانیف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اگر منصفانہ نظر سے مطالعہ کی جائیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور خود فاضل بریلوی کی طرف دل کھنچنے لگتا ہے ——— اسی اثر انگیزی کی وجہ سے بعض مخالفین نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو فاضل بریلوی

کی تصانیف سے دور رکھنے کی پوری پوری کوشش کی۔ ان خیالات و تاثرات کو پڑھ کر فاضل بریلوی کی تحریر و تقریر کی تاثیر کا اندازہ ہوتا ہے ——— جس کی تحریر اس شدت سے اپنی طرف کھینچ سکتی ہے تو جب وہ اپنے آقا و مولیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جائے تو کیسے دل نہ کھنچیں گے! ——— عشقِ رسول، فاضل بریلوی کی شخصیت کا طرۂ امتیاز ہے ——— ممکن نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے اور عشق کا ذکر نہ ہو ——— طبقۂ علماء و عوام میں وہ اپنے علم و عشق سے جانے پہچانے جاتے ہیں ——— جس نے ان کا ذکر کیا، عشق کا ضرور ذکر کیا ——— ایک مسلمان کی اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی اور ایک عاشقِ رسول کی اس سے بڑھ کر اور کیا پہچان ہوگی؟

جناب محمد ایوب خاں صاحب (سابق سیکرٹری وزارتِ خزانہ پاکستان) نے فاضل بریلوی کے جذبۂ عشق کا جائزہ لیتے ہوئے یہ نکات بیان فرمائے ہیں جو نہایت ہی حقیقت افروز ہیں :-

(۱) فاضل بریلوی کے دل میں عہدِ اولین کی پاکیزہ و مطہر اور نفیس و جمیل رسمِ محبت کے احیا کی تمنا انگڑائیاں لے رہی تھی۔

(۲) اعلیٰ حضرت خوش نصیب تھے کہ انہیں علمِ دین، مقامِ علا پر عطا ہوا۔

(۳) اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز نے زندگی کی حقیقی تعبیر کو پا لیا۔

(محررہ ۱۱ جنوری ۱۹۷۶ء)

بے شک جس نے محبت کو پا لیا اس نے زندگی کی حقیقی تعبیر کو پا لیا ——— پیشِ نظر مجموعہ تاثرات میں حافظ لودھیانوی، سرور بجنوری، حفیظ جالندھری، حافظ مظہر الدین، احمد ندیم قاسمی، عبد الکریم ثمر، شمس بریلوی، محشر رسول نگری، انور علی انور وغیرہ نے فاضل بریلوی کے عشقِ رسول کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ——— اور فضلاء میں جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب (صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سندھ) اور پروفیسر کرار حسین صاحب (وائس چانسلر بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ) نے فاضل بریلوی کے عشقِ رسول کو سراہا ہے، موخر الذکر نے خوب لکھا ہے :-

میں ان کی شخصیت سے اس وجہ سے متاثر ہوں کہ انہوں نے علم و عمل میں عشقِ رسول

کا وہ مرکزی مقام دیا ہے جس کے بغیر تمام دیوان ایک جسد بے روح ہے۔

(مکتوب محررہ ۲۰ ؍ مارچ ۱۹۷۶ء)

پروفیسر سید محمد عارف نے فاضل بریلوی کو علم و عشق کا پیکر قرار دے کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

فاضل بریلوی کا یہی والہانہ عشق و محبت ہے جس نے ان کو اہل بیت اطہار اور سادات کرام کی جناب میں نہایت مؤدب بنا دیا ہے کہ دنیا دیکھ دیکھ کر حیران ہوئی جاتی ہے اور بعض محبت ناآشنا لوگوں کو اس میں تکلف اور ریاکاری نظر آتی ہے ——— اسی مجموعے میں سیف الاسلام مولانا منور حسین صاحب نے احترام سادات کے بعض چشم دید واقعات بیان کیے ہیں جو قابل مطالعہ ہیں ——— اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب اپنے کوچہ میں سادات کا یہ احترام تھا تو پھر کوچۂ جاناں میں کیا کچھ احترام نہ کیا ہوگا ——— ! مولوی حسین احمد دیوبندی نے سادات کرام کے ادب و احترام کا آنکھوں دیکھا حال الشہاب الثاقب میں لکھا ہے مگر انہوں نے اس کو ریاکاری پر محمول کیا ہے۔

؎ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست !

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فاضل بریلوی کی بے پناہ محبت و عشق نے ان کی شاعری کو ایسا چمکایا کہ سب کی شاعری ماند پڑ کر رہ گئی ——— ان کے دیوان حدائق بخشش کو پڑھ کر بے ساختہ زبان پر آتا ہے ؎

عشق ہی عشق ہے جہاں تک دیکھو!

یہی وجہ ہے کہ مولانا کوثر نیازی نے فاضل بریلوی کو نعت گوئی کا امام قرار دیا ہے ——— نعت گو شعراء کا امام ہونا اور بات ہے اور نعت گوئی کا امام ہونا اور بات ! ——— اور جناب عابد نظامی نے دیوان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

کیفیت کے اعتبار سے اکثر بھاری بھرکم دیوانوں پر فوقیت رکھتا ہے

(محررہ ۱۰ ؍ جنوری ۱۹۷۶ء)

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں ایک ہندو صحافی ہفت روزہ بھجن (پٹنہ) کے مدیر کے تاثرات پیش کر دیے جائیں۔ موصوف نے دیوان حدائق بخشش کا مطالعہ کیا اور وہ بھی دارالعلوم دیوبند میں، مطالعہ کے بعد جن تاثرات کا اظہار کیا ملاحظہ ہوں :-

مجھے رام چندر کی قسم کہ گذشتہ دنوں مدرسہ دیوبند میں میں نے دیوبندی حضرات کے مخالف فریق کے رہنما مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نعتیہ شاعری پر حدائق بخشش نامی کتاب دیکھی تو حیران و ششدر ہو کر رہ گیا کہ دیوبندی حضرات مولانا احمد رضا خاں کو کافر کہتے ہیں اور انہیں گالیاں دیتے ہیں مگر اس کے برعکس مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کا ایک ایک شعر علم و ادب کا مرقع ہے اور حدائق بخشش ایک گنجینۂ حق ہے کہ جسے اہل ادب اگر اپنا اثاثۂ حیات سمجھیں تو بجا ہے۔

(ہفت روزہ بھجن (پٹنہ) ۱۷ ؍ نومبر ۱۹۱۷ء ص ۷)

- مجلہ ماہنامہ [illegible] (قصور) جنوری و فروری ۱۹۷۶ء ص ۳۶ و ۳۷

اس میں شک نہیں کہ فاضل بریلوی ایک باکمال شاعر و ادیب اور متبحر عالم تھے لیکن سیاست میں بھی ان کی خدمات کچھ کم نہیں، میدان سیاست میں انہوں نے اپنے فکر انگیز خیالات اور انقلاب انگیز افکار سے معاصر سیاست دانوں اور علماء کو بہت متاثر کیا اس حقیقت کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ پاکستان کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق مرکزی وزیر تعلیم حکومت پاکستان و وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) نے اس نکتے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

سیاسی بصیرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت اس خطرے سے پوری طرح آگاہ تھے جو ہندوؤں سے مسلمانوں کو لاحق تھا جس زمانے میں اچھے اچھے ہندو دوستی میں

حد سے تجاوز کر رہے تھے، حضرت اس خطرے سے امت کو آگاہ فرما رہے تھے، ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کا احساس ہی اساس پاکستان ہے، اس سے آپ کی سیاسی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہیں۔ (مکتوب محررہ ۲۴ راکتوبر ۱۹۷۵ء)

اور یہ صرف وہی احساس نہ تھا بلکہ اس وقت جب کہ علماء ہند مشرکین کے ساتھ وداد و اتحاد کے لیے ساعی تھے، فاضل بریلوی، ان کی اولاد امجاد اور خلفاء و متبعین غیرت اسلامی سے مضطرب بیقرار تھے ——— اسی سلسلے میں ایک واقعہ مولانا منور حسین صاحب سیف الاسلام نے نقل فرمایا ہے جو قابل مطالعہ ہے ——— فاضل بریلوی کی سیاسی بصیرت کے ذیل میں مہ وش صاحب نے ان حقیقت افروز خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

اعلیٰ حضرت نے ہندوستان کی واحد قومیت اور ختم نبوت کے متعلق جو مسلک اس صدی کے چوتھے عشرے میں اختیار کیا اسے تین چار عشرے کے وقفے سے مسلم لیگ نے اپنایا۔ (مکتوب محررہ ۲۱ رجنوری ۱۹۷۶ء)

فاضل بریلوی کے اس فضل و کمال، بصیرت و دوراندیشی اور موافق و مخالف کی طرف سے ان کی خدمات جلیلہ کے اعتراف کے باوجود بعض حضرات کو فاضل بریلوی سے للّٰہی بغض ہے، ان کو ہر سیدھی بات ٹیڑھی نظر آتی ہے ——— فاضل بریلوی نے ترک موالات کے خلاف فتویٰ دیا تو کہا گیا کہ انگریزوں کے حامی و ہم ساز ہیں ——— پھر ایک مرتبہ غیرت اسلامی کی وجہ سے انگریزی عدالت میں انگریز جج کے سامنے پیش نہیں ہوئے تو کہا گیا کہ جھوٹا ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پیش کر کے حاضری سے نجات حاصل کی ——— غرض کسی کل چین نہیں ——— اور وصیت نامہ کے بعض مندرجات پر جو اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں وہ نہایت نامعقول اور مضحکہ خیز ہیں۔ جس کا مقصد سوائے کیچڑ اچھالنے کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

اس مجموعہ تاثرات میں جناب نعیم صدیقی صاحب نے اس بغض و عداوت اور ان نزاعات

کو ختم کر کے اخوت و محبت کے لیے کوشش کرنے کی تلقین فرمائی ہے، بہت ہی اچھی تلقین ہے لیکن اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ سبب کا تعلق مسبب سے اور معلول کا تعلق علت سے ہوتا ہے ——— جب تک سبب ختم نہیں ہوتا مسبب ختم نہیں ہوسکتا ——— اور جب تک علت ختم نہیں ہوتی معلول ختم نہیں ہوسکتا ——— آگ ہے تو جلن رہے گی ——— خار ہے تو کھٹک رہے گی ——— درد ہے تو کسک رہے گی ——— یہ خلاف عادت ہے کہ آگ رہے، جلن نہ رہے ——— خار رہے کھٹک نہ رہے ——— درد رہے، کسک نہ رہے، رنجش و بددلی کے اصل اسباب و علل کو ختم کرنا چاہیے اور وہ ڈھکے چھپے نہیں، ظاہر و باہر ہیں صرف ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر اپنی ہستی مٹانے کی ضرورت ہے ——

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

فریقین میں محبت و اخوت اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب ایک فریق فاضل بریلوی کی خدمات کو ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ کرے اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب شائستہ طریقے پر فاضل بریلوی کا تعارف کرایا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ جناب مولانا محمد مرید احمد چشتی زیدمجدہٗ کی یہ کتاب فاضل بریلوی کے تعارف کی ایک اہم کڑی ہے، قوی امید ہے کہ اس کے مطالعے سے ہمارے بہت سے جوان اور بزرگ شرح صدر محسوس کریں گے اور فاضل بریلوی کے افکار و خیالات کا منصفانہ و عادلانہ جائزہ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ تاثرات لکھنے والے علماء و فضلاء، عزیز گرامی مولانا محمد مرید احمد چشتی سلمہٗ اور طابع و ناشر کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ اور اس کوشش کو قبول عام کے شرف سے مشرف فرمائے۔ آمین!

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ ۲ جون ۱۹۷۶ء گورنمنٹ کالج مٹھی، ضلع تھرپارکر (سندھ)
پرنسپل

تاریخ کا ایک ورق

ترکِ موالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ جب مسلمانوں میں ترکِ موالات کا حکم صاف ہے تو اس میں استثناء کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ کہ جب اسلام میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یکساں ترکِ موالات کا حکم ہے تو جس طرح انگریزوں اور ان کی حکومت سے ترکِ موالات کیا جاتا ہے ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین میں شمار کیے جاتے ہیں، ترکِ موالات ہونی چاہیئے۔ یہ منطق نہایت کمزور ہے کہ انگریزوں سے تو ترکِ موالات ہو اور ہندوؤں سے محض سیاسی اتحاد کے لیے موالات روا رکھی جائے۔

اداریہ روزنامہ پیسہ اخبار۔ لاہور

"آہ مولانا احمد رضا خاں صاحب" ۲ر نومبر ۱۹۲۱ء

حرفِ اوّل

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ پاک و ہند کا ہر وہ آدمی جسے تاریخ اور مذہب سے دلچسپی ہے، اس عاشقِ رسول ﷺ کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات کا معترف و معتقد ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو مختلف علوم مثلاً فقہ، تفسیر، علم کلام، علم میراث اور ریاضی پر جو حیرت انگیز عبور حاصل تھا، اس کے معترفین میں سید انور شاہ کشمیری، شبلی نعمانی، حکیم الامت علامہ اقبالؒ، سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر سر ضیاء الدین (سابق وائس چانسلر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)، پروفیسر کرار حسین (وائس چانسلر بلوچستان یونیورسٹی)، پروفیسر شیخ امتیاز علی (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی)، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) اور پروفیسر محمد طاہر فاروقی (سابق صدر شعبہ اُردو، پشاور یونیورسٹی) جیسی ہستیاں شامل ہیں۔

مرکزی مجلس رضا۔ لاہور اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کے دینی، علمی اور سیاسی کارناموں کے بارے میں کم و بیش چالیس کتابیں شائع کر چکی ہے، جن میں سے "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)، "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)، "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" (اختر شاہجہان پوری)، اور "محاسن کنز الایمان" (ملک شیر محمد خاں اعوان) خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ لیکن اتنی عظیم شخصیت پر ابھی تک کوئی ایسا کام[1] نہیں ہوا جسے فخر کے ساتھ علمی دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس کا احساس اس کتاب میں شامل خطوط اور تاثرات کے لکھنے والوں کو بھی ہے۔

مثلاً شیخ امتیاز علی صاحب (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) اپنے مکتوب میں اعلیٰ حضرت

---

[1] ماہنامہ المیزان "بمبئی (انڈیا) کے" امام احمد رضا "نمبر نے کسی حد تک اس کمی کو پورا کر دیا ہے (محمد مرید احمد چشتی)

کی دینی و سیاسی خدمات کا اعتراف کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ "اگرچہ مولانا بریلویؒ کے ارادت مندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے لیکن تعجب ہے کہ اس مقبولیت و شہرت کے باوجود گذشتہ نصف صدی کے طویل عرصے میں، مولاناؒ کی شخصیت اور دینی خدمات پر کوئی مستقل تصنیف مرتب نہ ہو سکی"۔

ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی صاحب (سندھ یونیورسٹی) اپنے مکتوب میں رقم طراز ہیں۔ "بریلوی حضرات نے مولاناؒ کی علمی اور دینی خدمات کو پھیلانے کے معاملہ میں بخل سے کام لیا ہے۔ جس کے پاس جو مواد ہے وہ لئے بیٹھا ہے اور نہیں چاہتا کہ یہ برکت اس کے ہاتھ سے جائے۔ میں نے ایک صاحب کو بڑی کوشش سے تیار کیا۔ کہ پی۔ ایچ۔ ڈی کا کام کرا دوں تاکہ وہ کام کریں اور میں بھی مطالعہ کر لوں۔ مگر یونیورسٹی میں بھی اس کی منظوری کا مسئلہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ اور وہ صاحب بھی مواد نہ ملنے کی وجہ سے پریشان۔ چونکہ اپنی نگرانی میں کرانا چاہتا ہوں۔ اس لئے تلاش سے کچھ آدمیوں کا پتہ چلا۔ اور ان کو توجہ بھی دلائی مگر وہ کچھ دل برداشتہ ہو گئے۔ میری بڑی خواہش بلکہ تمنا ہے کہ ان حضرات کے علمی و دینی کارناموں کو دُنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کیسے کیسے لوگ گزرے ہیں"۔

زیرِ نظر کتاب جو عزیز محمد مُرید احمد چشتی کی دو سالہ محنت اور کوشش کا حاصل ہے اور اپنی جگہ بہت کامیاب اور احسن ہے۔ کتاب میں جن لوگوں کے تاثرات شامل ہیں۔ انہوں نے اعلیٰ حضرتؒ کی ہمہ جہتی، جامع شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اور کھلے دل سے ان کی جلالتِ شان اور دینی، ملی، علمی اور ادبی خدمات کا اعتراف کیا ہے مثلاً پروفیسر محمد طاہر فاروقی (سابق صدر شعبہ اُردُو پشاور یونیورسٹی) اعلیٰ حضرتؒ کی نعت گوئی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ عشقِ رسولؐ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور وہی جذبہ ان کی نعت گوئی کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ اس لئے ان کے اشعار میں "از دل خیزد بر دل ریزد" کا صحیح عکس نظر آتا ہے۔ حُبِّ رسولؐ ہمارے ایمان کی بنیادی صفت ہے۔ حضرت مولاناؒ جیسے جلیل القدر عالم اور کامل الاوصاف درویش اس نعمت سرمدی سے کیوں متصف نہ ہوتے۔ ان کی

نعت میں شاعرانہ صنعت گری کے ساتھ روحانی کیفیات اور ضمیمی تاثرات بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ ہر شعر ڈوب کے لکھا ہے۔ اس لئے ان کے اشعار میں درد و اثر، کیف و جذبہ، سوز و ساز اور والہانہ شیفتگی زیادہ سے زیادہ ملتی ہے۔ حضرت مولاناؒ بالیقین صفِ اوّل کے نعت گو شعراء میں شامل ہیں"۔

جناب حافظ لدھیانوی صاحب اعلیٰ حضرتؒ کی نعت گوئی کے بارے میں اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں۔ "حضرتؒ کے نعتیہ اشعار میں ایک نسبتِ خاص کا پتہ چلتا ہے۔ نعت کا ہر مصرعہ اور شعر فیضِ خاص کی دلیل ہے۔ یہ منصب جلیلہ منتخب افراد کا حصّہ ہوتا ہے جن کو سرکارؐ نے اپنی مدح کے لئے منتخب فرمایا ہو۔ اعلیٰ حضرتؒ اس کرمِ خاص سے نوازے گئے تھے۔ اس لئے ان کی نعتیہ شاعری قلوب کے مجلّوں اور ذہنوں کے اوراق پر رقم کر دی گئی۔ حضرت اعلیٰؒ نے زندگی کے ہر موڑ پر عشقِ رسولؐ کی شمعیں فروزاں کیں۔ یہ شمعیں تا قیامت نور بکھیرتی رہیں گی اور آنے والوں کو جادۂ عشقِ مصطفےٰؐ کی طرف رہنمائی کرتی رہیں گی"۔

بلوچستان یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر کرار حسین لکھتے ہیں۔ "میں انؒ کی شخصیت سے اس وجہ سے متاثر ہوں کہ انہوںؒ نے علم و عمل میں عشقِ رسولؐ کو مرکزی مقام دیا ہے۔ جس کے بغیر تمام دین ایک جسدِ بے رُوح ہے"۔

اعلیٰ حضرتؒ کی سیاسی بصیرت کا بھی ادباء اور فضلاء نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم (سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "انؒ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے۔ کہ حضرتؒ اس خطرہ سے پوری طرح آگاہ تھے۔ جو ہندوؤں سے مسلمانوں کو لاحق تھا۔ جس زمانے میں اچھے اچھے ہندو دوستی میں حد سے تجاوز کر رہے تھے۔ حضرتؒ اس خطرہ سے اُمّت کو آگاہ فرما رہے تھے کہ ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کا احساس ہی اساسِ پاکستان ہے"۔

پروفیسر شیخ امتیاز علی (سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور) نے یوں اظہارِ خیال کیا ہے۔

"جنگِ عظیم اوّل کے بعد، ملکی سیاست کے ہنگامہ خیز دور میں، ترکِ موالات اور تحریکِ ہجرت کے خلاف حضرت مولانا بریلویؒ کے فتوے، نیز متحدہ قومیت کے بارے میں بیانات ان کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہیں۔"

آپ ایک بے مثل شاعر اور ادیب ہی نہیں تھے۔ بلکہ کامیاب مترجم بھی تھے۔ یوں تو آپؒ کے سبھی تراجم اعلیٰ پایہ کے ہیں۔ لیکن ترجمۂ قرآن پاک ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر (سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور) اپنے خط میں اعلیٰ حضرتؒ کے ترجمۂ قرآن پاک کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"میں نے اُن کا لکھا ہوا قرآن مجید کا ترجمہ دیکھا ہے۔ یہ ایک بڑی عالمانہ کاوش ہے۔ اس کے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔"

جسٹس شمیم حسین قادری صاحب کی رائے ہے۔ کہ "آپؒ کے کمالات میں سے تفسیرِ قرآن ہی بے مثال CONTRIBUTION ہے۔"

جہاں تک حضرتؒ کی فقاہت کا تعلق ہے۔ برصغیر کی ہزار سالہ تاریخ میں کوئی آپ کا عدیل و مثیل نہیں۔ اپنے اور بیگانے سبھی اعتراف پر مجبور ہیں۔ آپ کے فتاویٰ کی بارہ ضخیم جلدیں صدیوں تک اُمت کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔ یہ چند حوالے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بطورِ مثال پیش کئے گئے ہیں۔ اعلیٰ حضرتؒ کی تعلیمات اور ان کی جلالتِ شان نے مذہبی اور علمی حلقوں کو جس طرح متاثر کیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ محبی و مخلصی پروفیسر محمد مسعود صاحب کے افتتاحیہ اور کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

میں آخر میں پھر عزیز محمد مرید احمد چشتی کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس کوشش کو حسنِ قبول عطا فرمائے۔ آمین

سید نور محمد قادری

گزارشِ احوال

ایک دن چند بے تکلف احباب کی محفل میں اعلیٰ حضرتؒ کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات کا ذکرِ خیر ہوا۔ ایک دوست نے تجویز پیش کی کہ کیوں نہ اعلیٰ حضرتؒ کے بارے میں پاک و ہند کے فضلاء، علماء اور شعراء کے تاثرات معلوم کئے جائیں اور انہیں کتابی شکل میں مرتب کر کے شائع کیا جائے۔ تاکہ اُن کے فاضلانہ کارناموں سے علمی دُنیا واقف ہو سکے۔ اور یہ کام بمصداق "قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند" میرے ذمہ لگایا گیا۔ چنانچہ اس سلسلہ کی ابتداء ۲۸ جولائی ۱۹۷۵ء کو نواب مشتاق احمد خاں صاحب سابق ایجنٹ جنرل حیدر آباد، دکن کے نام ایک خط سے کی گئی۔ نواب صاحب نے بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور لکھا کہ میں بچپن میں اپنے والد گرامی نواب فخر یار جنگ بہادر (سابق وزیر مالیات حیدر آباد دکن) کے ہمراہ اعلیٰ حضرتؒ کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔ نواب صاحب کے حوصلہ افزا جواب سے میری ہمت بڑھی۔ اور میں نے پاکستان کے مشہور فاضل حضرات مثلاً ابو الاثر حفیظ جالندھری، میاں جمیل احمد شرقپوری، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق مرکزی وزیر تعلیم و وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) پروفیسر کرار حسین (شیخ الجامعہ بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ) پروفیسر محمد طاہر فاروقی، جسٹس شمیم حسین قادری، احمد ندیم قاسمی، مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی، سید الطاف علی بریلوی ایڈیٹر "العلم"، سید انور علی انور بیرسٹر سپریم کورٹ، حافظ مظہر الدین، محمد ایوب صاحب ڈپٹی سیکرٹری مرکزی وزارت خزانہ اور بہت سے دوسرے دانشور حضرات کی خدمت میں عریضے ارسال کئے۔ اور ان سے درخواست کی کہ وہ اعلیٰ حضرتؒ کی دینی، علمی، ادبی اور سیاسی خدمات کے بارے میں اپنے تاثرات سے نوازیں۔

اسی دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ جب کئی خطوط کے جواب آنے میں کافی دیر ہو گئی تو میں کبیدہ ہوگیا۔ ایک رات میرے پیر و مرشد قبلۂ عالم شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الملت والدین مدظلہ العالی،

(سیال شریف) کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا "بیٹے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اپنا کام کئے جاؤ۔ یہ لوگ تمہیں ضرور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہٗ کی علمی و دینی خدمات کے بارے میں اپنے تاثرات سے آگاہ کریں گے۔" اس کے بعد میری پریشانی ختم ہوگئی اور میں نے کام جاری رکھا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد مندرجہ بالا فضلاء کے علاوہ اور بھی بے شمار دانشور حضرات مثلاً ڈاکٹر محمد باقر، مولانا محمد احمد مصباحی، ڈاکٹر عبادت بریلوی (پرنسپل اورنٹیل کالج، لاہور)، پروفیسر محمد عارف نے اعلیٰ حضرتؒ کے بارے میں اپنے تاثرات اور خطوط سے نوازا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہ اعلیٰ حضرت کی اسلامی خدمات نے ہمارے فضلاء ادباء اور شعراء پر کس قدر گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور کس طرح یہ لوگ اُن کے کارناموں کو مشعلِ راہ بنائے ہوئے ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی دیگر خدمات کے علاوہ بیشتر حضرات کو ان کی نعتیہ شاعری اور ترجمۂ قرآن پاک کا خصوصی طور پر معترف پایا۔ ڈاکٹر محمد باقر صاحب (سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور) نے اعلیٰ حضرتؒ کے ترجمۂ قرآن پاک کے بارے میں لکھا۔

"میں نے ان کا لکھا ہوا قرآن مجید کا ترجمہ دیکھا ہے۔ یہ ایک بڑی عالمانہ کاوش ہے۔ اور اس کے متعلق دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔" (مکتوب ٢٢ دسمبر ١٩٧٥ء)

حضرت کی نعتیہ شاعری اور عشقِ رسولؐ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے جناب محمد رسول نگری صاحب لکھتے ہیں۔ "آپؒ مجددانہ حیثیت کے عالمِ دین ہی نہیں تھے۔ بلکہ سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ بلکہ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں۔ کہ آپؒ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں فنائیت تامہ کا مقامِ رفیع حاصل کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انؒ کی نعتوں سے دل میں محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احساسات بیدار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض نعتیں تو اس قدر وجد آفریں ہیں کہ قلب و روح کو ذوقِ حضوری سے سرشار کر دیتی ہیں۔" (مکتوب ٧ جولائی ١٩٧٦ء)

پروفیسر معراج الدین قریشی صاحب زید مجدہٗ نے اعلیٰ حضرت کے مختصر لیکن جامع سوانح قلمبند کیے ہیں جنھیں قارئین کے استفادہ کے لیے شاملِ کتاب کیا جا رہا ہے۔

اب آخر میں مَیں اپنے ان احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کی توجہ اور اعانت سے مَیں یہ تاثرات جمع کرنے اور شائع کرنے کے قابل ہوسکا۔ اس سلسلہ میں محترم دوست اور بزرگ سیّد نور محمد قادری صاحب مدظلہٗ، جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری (صدر مرکزی مجلس رضا۔ لاہور) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نقشبندی مجددی، جناب حافظ مظہر الدین صاحب اور راجا رشید محمود صاحب کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں۔ جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور سید نور محمد قادری مکرّر شکریہ کے حقدار ہیں کہ انہوں نے کتاب کے شروع میں "افتتاحیہ" اور "حرفِ اوّل" لکھ کر کتاب کو جامع اور گراں قدر بنا دیا۔

محمد شریف احمد چشتی

چک جانی۔ تحصیل پنڈ دادنخاں۔ ضلع جہلم

٢٧ شعبان المعظم ١٣٩٦ھ / ٢٣ اگست ١٩٧٦ء

[redacted]

حکیم آفتاب احمد قریشی ایم اے

گجرات کے ایک ذی علم گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

دادا مولوی فضل الدین صاحب (م ۱۹۱۵ء) مصنف انوارِ غوثیہ حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سے بیعت تھے۔ باپ حکیم محمد حسن قریشی صاحب مرحوم حکیم الامت حضرت علامہ اقبال کے معتقدِ خاص تھے۔ آپ کا شمار تحریک پاکستان کے پرانے کارکنوں میں ہوتا ہے۔ قائدِ اعظم اور علامہ اقبال سے آپ کی محبت اور خلوص عشق کے درجہ پر پہنچا ہوا ہے۔

میری رائے میں تو برصغیر پاک و ہند میں جن اصحاب نے بھی اسلام کے پرچم کو سربلند رکھنے میں کام کیا وہ قابل صد احترام ہیں اور پھر حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کی ذات تو بڑے بلند مقام کی حامل تھی۔ لاکھوں انسانوں نے ان سے فیض پایا اور دینی بصیرت حاصل کی۔ ان کی ذات تو چشمۂ فیض تھی۔ جس سے لاکھوں تشنہ کاموں نے اپنی پیاس بجھائی۔ انہوں نے لاکھوں دلوں میں سرکارِ دو عالم کی محبت پیدا کی۔ ان کی نعتیہ شاعری تو عدیم المثال ہے۔ اس میں آمد کی کیفیت ہے۔ وہ عشقِ رسول سے سرشار تھے۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ مسلمان عشقِ رسول کو اپنائیں۔ عشقِ رسول ہی میں ہماری فلاح و بہبود ہے۔

جناب ابوالاعلیٰ مودودی

میں مولانا احمد رضا خان مرحوم کے علم و فضل، ان کے ذہن رسا اور ان کی دینی خدمات کا قائل و معترف ہوں اور انہیں مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کا رہنما و پیشوا سمجھتا ہوں مگر انہوں نے جس طرح بعض دوسرے مسلمانوں کو اپنے فتوائے[1] تکفیر کا نشانہ بنایا، اس سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ مولانا مرحوم کے معتقدین و متوسلین کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ ان کی مناظرانہ تحریروں کے بجائے ان کی مثبت عالمانہ و فقیہانہ افکار کی اشاعت کریں، بحالات موجودہ اس چیز کی زیادہ ضرورت ہے۔



---

[1] اس الزام کی حقیقت جاننے کے لیے علامہ سید احمد سعید کاظمی دام برکاتہ کی تالیف " الحق المبین " ملاحظہ فرمائیں۔ ـــــــــ اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر مرکزی مجلسِ رضا لاہور نے اس کا پشتو ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔

(مرتب)

ڈاکٹر ابواللّیث صدّیقی

کراچی یونیورسٹی

میں جناب رضا بریلوی کی دینی خدمات کا مداح اور معترف ہوں اور ان کو اسلام کے مجاہدین و مبلغین کی صفِ اوّل میں شامل سمجھتا ہوں، عشقِ رسول کا جذبہ ان کی نثر اور نظم میں ہر جگہ موجود ہے اور چونکہ اس کی بنیاد جذبے کی صداقت اور موضوع کی لطافت پر ہے اس لئے اس کا اثر آفریں ہونا قدرتی امر ہے۔ وہ یقیناً ہمارے نعت گو شعراء میں اسی مرتبہ پر فائز ہیں جہاں ہمیں جناب محسن کاکوروی یا دورِ حاضر میں جناب عبدالعزیز خالد ملتے ہیں۔



سیّد ابو سعید انورؒ

تحریکِ پاکستان کے ایک پُرانے اور معروف کارکن ہیں۔ علماء و فضلا کی سرزمین امرتسر سے تعلق رکھتے ہیں۔ تحریکِ پاکستان اور قائدِ اعظم کے بارے میں بہت سی یادیں اپنے سینے میں دبائے ہوئے ہیں۔ کاش وہ ان یادوں کو صفحاتِ کاغذ پر منتقل کر دیں۔ تاکہ موجودہ نسل (جو اپنے محسنین کو بھول چکی ہے) اُن سے استفادہ کر سکے۔

آپ جن دو کاموں کے متعلق مجھ سے توقع رکھتے ہیں، در حقیقت بہت مشکل کام ہیں۔ نانا مرحوم کے حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ سے تعلقات اور دوستی کے تذکرے عالمِ جوانی میں، پہنچ کر سنے ہیں، بچپن میں اہلِ طریقت و شریعت ان کے مہمان ہوتے تھے یقیناً مولانا بریلویؒ بھی تشریف لائے تھے۔ ان کی باہم دوستی کی زندہ مثال وہ مرثیہ (عربی) تھا جو میں نے خود پڑھا اور وہ میرے خالو مرحوم مولانا سید عبدالسلام ہمدانی کی تحویل میں تھا، اب اغلباً ان کے بیٹے سید محمد طیب ہمدانی کے پاس ہے جنہیں میں خط لکھ چکا ہوں، اگر وہاں نہیں تو پھر کشمیر میں کسی عزیز کے پاس ہوگا، کیونکہ قیامِ پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے خالو مرحوم بمع خاندان کشمیر چلے گئے تھے، وہ مرثیہ بہت ہی خوش خط لکھا ہوا تھا، جس طرح طبع شدہ قرآن شریف، ہر شعر کے نیچے اُردو ترجمہ بھی تھا، بیس اکیس شعر تھے، نفسِ مضمون کی کچھ باتیں ذہن میں محفوظ رہ گئی ہیں۔ نانا مرحوم کی وفات کو مسلمانوں کے لئے ایک عظیم نقصان، ان کی راست بازی، خطابت، نیکی اور طہارت، اولوالعزمی وغیرہ کو خراجِ تحسین، وہابیوں کے لئے قہر اور مرزائیوں کے لئے موت کا پیغام ہوتا، اور اسی قبیل کے شدید جذبات کا اظہار تھا، مجھے مقطع یاد ہے شاید اس میں قطعۂ تاریخ بھی نکلتا ہو، مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا،

قالَ الرضا اسفاً فی عام فُرقتہ محمدٌ عمر الفاروق شطارٌ
۱۳۳۰ھ

نانا مرحوم عالمِ شباب میں کشمیر سے ہجرت کر کے امرتسر مقیم ہو گئے، طب پیشہ تھا، وعظ و نصیحت فریضہ سمجھا، اہلِ سنت والجماعت کے سرکردہ عالم مانے جاتے تھے۔ اپنے محلّہ میں ان کی کوششوں سے ایک جامع مسجد بھی تعمیر ہوئی، شیخ جمیل احمد ایک ان کے معتقد تھے، ان کے نام سے یہ مسجد موسوم ہوئی، وعظ و تبلیغ، درس و تدریس میں سخت شغف تھا، ہمیشہ تبلیغ کے لئے سرگرم رہتے کبھی سیاسیات میں حصہ نہیں لیا، مگر سینکڑوں غیر مسلموں کو دیہات میں اسلام کی دولت سے مالامال کیا، ان کے مکتبِ فکر کے لوگوں میں مرحوم کے متعلق بعض باتیں یقین کی حد تک مشہور تھیں، مثلاً انہیں دستِ غیب ہے، جن ان کے درس میں شریک ہوتا تھا، مریضوں کو شفا ان کی دوا سے زیادہ دُعا سے ہوتی ہے، وہ اپنے نام سے کم اور "مینہ والا پیر" کے لقب سے زیادہ مشہور تھے۔ نمازِ استسقاء کی قیادت فرماتے تو ہمیشہ بارش ہوتی، قحط سالی اور بارشوں کی قلت کے دنوں میں ہندو سکھ بھی آکر درخواست کرتے، کہ نماز کی قیادت کریں، لوگ جلوس کی صورت میں شہر سے باہر میدان میں لیجاتے، خود گریہ وزاری کرتے اور لوگوں کو رُلاتے، بارگاہِ ایزدی میں دُعا کرتے، اور بارش ہوتی، ایک ایسی نمازِ استسقاء میں مجھے بھی شرفِ شمولیت حاصل ہوا، میں عمر کے پانچویں، چھٹے برس میں تھا، آج بھی سینکڑوں مسلمان لاہور میں موجود ہیں جو اس بات کی اثبات میں شہادت دیں گے، ان کے رُعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ کوئی غیر نمازی مسجد کے غسل خانے وغیرہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، لوگوں میں نماز کا شوق پیدا کرنے میں بہت جدوجہد کی،

ان کی عمر وفات کے وقت تریسٹھ ۶۳ برس تھی، میں عمر کی چھٹی منزل میں تھا، میری پیدائش ۱۹۱۴ء کی ہے اس حساب سے ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں وفات پائی، مارشل لاء ۱۹۱۹ء میں حیات تھے، مجھے گود میں اٹھایا ہوا تھا، کہ بازار میں ایک شخص کہتا ہوا گزرا کہ نلکے سے پانی مت پئیں انگریزوں نے زہر ملا دی ہے، یہ بات مجھے بالکل یاد ہے، دیوان خانے میں کھڑے تھے، گھر میں سخت گھبراہٹ تھی، اور نانا مرحوم بھی پریشان تھے، عبدالسلام کدھر ہے، ابھی تک نہیں آیا، یہ نانا

کے بھتیجے بھی تھے، اور داماد بھی، جب وہ خون میں تر بتر گھر پہنچے، تو ان کے کپڑے فوراً جلا دیئے گئے۔

مجھے پانچ برس کی عمر میں قرآن حفظ کرانا شروع کیا، والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ چھ سپارے تم نے حفظ کر لئے تھے، کہ ان کا انتقال ہوگیا، قرآن شریف تو حفظ نہ ہو سکا، مگر سبق کے بعد میں ہر حالت میں سبق دہراتا رہتا، حتیٰ کہ بیت الخلا یا غسل خانے میں بھی پڑھتا رہتا، اس پر جو ڈانٹ ڈپٹ ہوئی، وہ بھی آج تک یاد ہے، میں دو متضاد مذہبی عقائد کے درمیان معلق رہا، مگر ان کی وفات کے بعد سو فیصد اہل حدیث مکتب میں والد مرحوم کے ساتھ شامل رہا، آمین اور رفع یدین پر زور رہا، مگر ننھیال جب آنا ہوتا تو مذہبی مباحث میں گرما گرمی رہتی، جیسے پہلے لکھ چکا ہوں، جب ہوش آیا تو نہ وہابی رہا اور نہ سُنّی۔

نانا مرحوم کا پورا نام مع القاب یوں لکھا جاتا تھا، "الحاج میر واعظ حافظ سیّد عبد الغنی ہمدانی" ان کا ایک بیٹا قاسم وفات پاگیا، پانچ بیٹیاں تھیں، قریب داری کے سبب والدہ مرحومہ اور ایک ان کی بہن اہل حدیث خاندان میں گئیں، دو بہنیں مفتی عبد الصمد خان" (مشہور حنفی عالم دین) کی بہویں بنیں اور پانچویں بہن ان کے بھتیجے سیّد عبد السلام ہمدانی" کی بیگم ہیں۔

علمائے احناف اور صوفیائے عظام نے تحریک پاکستان میں بیش بہا خدمات انجام دیں، سیّد نذیر نیازی کی میت میں براہ راست اس شعبہ اشاعت سے متعلق تھا، ۱۹۴۶ء میں جو ان کے بیانات وغیرہ شائع کرتا تھا اور جلسوں کے پروگرام بناتا تھا، مگر تمام ریکارڈ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء میں تباہ و برباد ہوگئے، کیا لکھوں کیسے لکھوں اور پھر وقت بھی کہاں ہے؟ بیکار کی معروفیات اس قدر ہیں کہ میں کبھی خط نہیں لکھتا، انتہائی معذرت کے ساتھ یہ چند سطور ارسال خدمت ہیں۔

حضرت احسان دانش

مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اکیلے نہیں اُن کے خاندان سے شعر و ادب اور خصوصاً نعت گوئی نے راہیں پائی ہیں۔ حسن رضا خانؒ کا دیوان "ثمرۂ فصاحت" میرے کتب خانے میں موجود ہے جواب کہیں نہیں ہے۔

مولانا احمد رضا خانؒ "نعت کے میدان میں ناقابل فراموش شخصیت ہیں ان کی شاعری پر ایک کتابچہ آ بھی چکا ہے۔ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ آپ نے اپنی سعی کا رُخ نہیں لکھا کہ آپ نعت[1] گوئی پر کتاب مرتب کر رہے ہیں یا صرف شخصیت پر۔

ان کی شخصیت بھی اس قدر تناور ہے کہ ان کے کام پر قلم اُٹھانا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ ان کا تو پیری مُریدی کا سلسلہ اس قدر وسیع و طویل ہے کہ اُن کی یہ زنجیر بڑھائی جائے تو ہزار صفحات لیجائے گی۔ کیونکہ ان کی تعلیمات اور خلفاء کے مُریدین اور مُریدین میں نکلتے ہوئے لوگ اور بڑے ہونے کے آثار کے ساتھ ساتھ ان کا تذکرہ جان لیوا ہو جائیگا۔ آپ پہلے عنوان کا تعین کریں تاکہ کچھ اندازہ ہو سکے۔

---

[1] حضرت احسان دانش نے اعلیٰ حضرت کی نعت گوئی پر مقالہ لکھنا بھی شروع کیا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔ خدا جانے اس کا کیا رہا۔

جناب احمد ندیم قاسمی

مستند نقاد، اعلیٰ پایہ کے شاعر اور چوٹی کے افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی اگرچہ دیہاتی ہیں لیکن شہریوں سے بہتر اردو لکھتے اور بولتے ہیں۔ آج کل سہ ماہی "فنون" اور سہ ماہی "صحیفہ" کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے اردو زبان کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم کے بارے میں کچھ عرض کرنا میرا منصب نہیں ہے۔ میں انہیں صرف بحیثیت نعت گو جانتا ہوں اور میرا اندازہ یہ ہے کہ نعت گوئی میں ان کا مرتبہ دیگر نعت نویسوں کے مقابلے میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرحوم کی بے پناہ اور بے کنار عقیدت و محبت کی برکت سے منفرد ہو جاتا ہے۔ نعت، عشقِ رسول کے بغیر کہی ہی نہیں جا سکتی۔ رسماً کہی جائے گی تو اس کا کھوکھلا پن جلد کھل جائے گا چنانچہ جتنے بھی اچھے نعت گو ہیں، وہ عشقِ رسول کی مختلف کیفیات ہی کو شاعری میں منتقل کرتے ہیں۔ مگر جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، مرحوم کے عشق کی شدت بے پناہ ہے اور اسی لئے ان کی نعت کی اثر آفرینی بھی بے پناہ ہے۔

جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

سابق مرکزی وزیر تعلیم اور سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب کی ذات محتاجِ تعارف نہیں۔ برصغیر کی تاریخ پر اتھارٹی رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی کئی کتابیں مثلاً "علماء ان پالٹکس" اور "برِ اعظم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ" منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

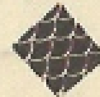
حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے متعلق میں صرف اس قدر کہنے پر کفایت کرتا ہوں کہ علومِ دینیہ میں انہیں جو دسترس حاصل تھی، وہ فی زمانہ فقید المثال تھی۔ دوسرے علوم میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ ان کا دل چونکہ عشقِ نبویؐ میں کباب تھا اس لئے نعت میں خلوص اور سوز ہے جو بغیر عمیق جذبات کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ سیاسی بصیرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت اس خطرہ سے پوری طرح آگاہ تھے جو ہندوؤں سے مسلمانوں کو لاحق تھا۔ جس زمانہ میں اچھے اچھے ہندو دوستی میں حد سے تجاوز کر رہے تھے۔ حضرت اس خطرہ سے امت کو آگاہ فرما رہے تھے۔ ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کا احساس ہی اساسِ پاکستان ہے۔ اس سے آپ کی سیاسی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے دفتر درکار ہیں اور ایک مختصر سی صحبت میں اس سے عہدہ برا ہونا دشوار ہے۔

جناب شیخ امتیاز علی مشیرِ تعلیم گورنر پنجاب

سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی اپنے عہد کے جید عالم، مقبول نعت گو، اور صدہا دینی و علمی کتب و رسائل کے مصنف تھے۔ دینی علوم، خصوصاً فقہ و حدیث پر موصوف کی نظر بڑی وسیع اور گہری تھی۔ فقہی مسائل میں "فتاویٰ رضویہ" ان کا بہت اہم علمی کارنامہ ہے مولانا بریلوی "کی فقہی بصیرت اور اعلیٰ اجتہادی صلاحیت کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے علامہ اقبال ؒ نے بجا فرمایا تھا، کہ "ہندوستان کے اس دورِ متاخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہہ بمشکل ملے گا۔" جنگ عظیم اوّل کے بعد، ملکی سیاست کے ہنگامہ خیز دور میں ترک موالات اور تحریک ہجرت کے خلاف حضرت مولانا بریلوی کے فتوے نیز متحدہ قومیت کے بارے میں بیانات، ان کی سیاسی بصیرت کا ثبوت ہیں۔

اگرچہ مولانا بریلوی کے ارادت مندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے لیکن تعجب ہے کہ اس مقبولیت و شہرت کے باوجود، گذشتہ نصف صدی کے طویل عرصے میں، مولانا کی شخصیت اور دینی خدمات پر کوئی مستقل تصنیف مرتب نہ ہو سکی۔



جناب انور سدید

میری ناچیز رائے میں حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعت میں جذبہ اور رنگ کا بنیادی امتزاج دو صورتوں میں ظاہر ہوا ہے۔ اولاً انہوں نے عقیدت کے اظہار میں غلو سے کام نہیں لیا۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو انسان کامل کے روپ میں دیکھا ہے۔ ثانیاً انہوں نے اس اظہار میں زبان کو عوامی انداز میں استعمال کرنے کی سعی کی ہے۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب حُبِّ نبوی حضرت احمد رضا خان کے قلب نازک پر انوار کی پھوار بکھیرنے لگتی ہے۔ تو وہ لفظوں کی تلاش میں سرگرداں نہیں ہوتے بلکہ عقیدت لفظوں کی محتاج ہی نہیں رہتی۔ اور سادہ الفاظ ہی جذبے کی حدت سے لو دینے لگتے۔ اہم بات یہ ہے کہ حضرت رضا بریلوی نے جب نعت نگاری کا فریضہ قبول کیا تو اس سے پہلے وہ اشرف الانبیاء کی تعلیمات، صفات اور اسوۂ حسنہ کو اپنی ذات کا حصہ بنا چکے تھے۔ اور ان پر یہ واضح ہو گیا تھا، کہ حضور کی تقلید ہی دہر کی آلائشوں کو دور کر سکتی ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تمام جھلکیاں اور ان کی ذات ستودہ صفات کی تمام خوبیاں حضرت رضا بریلوی کی نعت کو وہ فکری جہت عطا کرتی ہیں۔ جن کا اظہار انہوں نے فارسی یا عربی کی صنعتوں کا سہارا لئے بغیر کیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھئے تو حضرت رضا بریلوی نے نعت کے شجر سایہ دار کو پاکستان اور ہندوستان کی مٹی میں اُگانے کی کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نعت ہندوستان و پاکستان کے لوگوں میں زیادہ مقبول اور ان کے دلوں سے زیادہ قریب ہے۔ اور اس نعت نے گم کردہ راہ مسافروں کو وحدت اور نبوت میں یقین پختہ کرنے میں بڑی معاونت کی ہے۔

جناب سیّد انور علی

ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ اون ریکارڈ سپریم کورٹ آف پاکستان
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، سندھ بلوچستان کراچی

باپ دادا سبھی عالم و فاضل اور شاعر تھے۔ خود بھی اسلام کے موضوع پر کئی انگریزی کتابوں کے مصنف ہیں۔ دو شعری مجموعوں "ترنم" اور "خورشید" کو بھی آپ سے نسبت ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی اور دیگر سُنّی علماء اور مشائخ سے بھی اور گہری عقیدت رکھتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب عالم اسلام کی ایک عظیم شخصیت تھے ان کی خداداد صلاحیتیں بے پناہ تھیں، وہ شخص جو صرف ۱۳ سال ۱۰ ماہ کی عمر میں عقلی و نقلی علوم میں فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کے فرائض سنبھال لے اس کے علمی تبحر، ذہانت اور استعداد میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر تصوف اور عشقِ رسول نے ان کے علم و فضل کو چار چاند لگا دیئے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو علم و معرفت، حدیث و فقہ، شعر و ادب اور فلسفہ و سائنس میں عظیم مرتبہ حاصل ہوا، یہاں تک کہ انہیں امام اہلِ سنت ہونے کا شرف ملا۔ ان کی سوانح حیات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کم و بیش ۵۲ علوم پہ دسترس حاصل تھی اور انہوں نے مختلف علوم و فنون پر مختلف زبانوں میں تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف کیں انہیں تیرہ سلاسل طریقت میں خلافت ملی۔ ان کے مریدین، خلفاء اور معتقدین لاکھوں کی تعداد میں عالم اسلام میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی ہمہ گیر شخصیت شاید ہی کوئی اور نظر آئے۔

نقاشِ فطرت جناب میاں ایم اسلم لاہور

معروف ناول نگار ایم اسلم حکیم الامت علامہ اقبال کے معتقد اور ہم جلیس کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔ علمی، ادبی خدمات کی بناء پر "نقاشِ فطرت" کے لقب سے مشہور ہیں۔ کسی زمانہ میں ان کے ناول "مرزا جی" کی بڑی شہرت تھی، جس میں ہندو لیڈروں اور ان کے کاسہ لیس نیشنلسٹ مسلمانوں کی قلعی کھولی گئی تھی۔

مجددِ اسلام سیدنا حضرت احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ شریعت اور طریقت میں ایک بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ اور امام وقت مانے جاتے تھے۔ آپ کے زمانے میں آپ کے روحانی کمالات اور کشف و کرامات کا بہت چرچا تھا۔ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کی ایک کرامات کا ذکر اہلِ دل کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حضرت سیدنا علیہ الرحمہ کے عقیدت مندوں میں ایک امجد علی خاں صاحب تھے۔ امجد علی خان ہم چشموں میں عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کو شکار کا بہت شوق تھا ایک روز جو آپ شکار کو گئے تو اتفاق سے آپ کی گولی لگنے سے ایک آدمی مر گیا۔ جب پولیس کو خبر ہوئی تو پولیس نے آپ کو قتل کے جرم میں گرفتار کر لیا۔ اور چالان عدالت میں پیش کر دیا۔ جرم چونکہ ثابت تھا، امجد علی کو پھانسی کی سزا ہو گئی۔ اپیل میں بھی سزا قائم رہی۔ پھانسی کی تاریخ سے دو ایک روز پہلے آپ کے دوست احباب آخری ملاقات کے لئے آپ سے ملنے جیل میں آئے۔ یہ سب لوگ بہت مغموم اور آزردہ خاطر نظر آتے تھے۔ لیکن امجد علی خان بڑے مطمئن

اور پر سکون نظر آ رہے تھے۔ لوگ حیرت میں تھے، کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ امجد علی خاں نے ان سے کہا کہ میرے مرشد سیدنا حضرت رضا علیہ الرحمۃ مجھے خواب میں ملے تھے۔ اور مجھے فرمایا تھا کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ جس روز پھانسی ملنی تھی، اس سے ایک روز پہلے امجد علی خاں کی ماں بیٹے سے آخری بار ملنے آئی۔ لیکن فرطِ غم سے ماں کے لب پر مہرِ سکوت لگی ہوئی تھی۔ صرف آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ امجد علی خان نے ماں کو مخاطب کر کے کہا۔ اماں! فکر مت کرو، میں کل انشاءاللہ ناشتہ گھر پر آکر کروں گا۔

ماں بیچاری کیا جواب دیتی۔ روتی اور آہیں بھرتی واپس چلی گئی۔ اگلے روز پھانسی ملنے کے وقت سے کچھ پہلے جیل والے امجد علی کو جیل کی کوٹھری سے نکال کر اس جگہ جہاں تختہ دار تھا لے گئے۔ اور جیل کے قوانین کے مطابق اس سے آخری بار پوچھا گیا، کہ کوئی خواہش ہو تو بتائیں۔ خان صاحب نے کہا، کہ میں تم سے کیا کہوں۔ آج ناشتہ میں گھر پر جاکر کروں گا۔ یہ سن کر جیل والوں کو بہت تعجب ہوا۔ انہوں نے پھانسی پر لٹکانے سے پہلے امجد علی کے دونوں بازو رسی سے باندھ دیئے اچانک ایک طرف سے جیل کا ایک افسر آگیا۔ اور اس نے کہا کہ آج ملکہ وکٹوریہ کی تاج پوشی کا دن ہے۔ تاج پوشی کی خوشی میں حکومت نے بہت سے ملزموں کی سزا معاف کر کے انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ جن کو معافی ملی تھی، امجد علی خاں بھی ان میں شامل تھا۔ امجد علی کو اسی وقت آزاد کر دیا گیا۔ اور اس نے خراماں خراماں گھر کی راہ لی۔ آج چونکہ اس کے پھانسی ملنے کا دن تھا۔ گھر میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ ہر طرف سے رونے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور میت جیل سے گھر لانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اچانک امجد علی مسکراتا ہوا گھر آیا۔ اور آتے ہی ماں سے کہا اماں! لو میں آگیا۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ ناشتہ لاؤ جلدی۔ وہی گھر جہاں ہر طرف سے رونے پیٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہاں مبارک سلامت کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

حضرت سیدنا احمد رضا علیہ الرحمہ کے ایک عقیدت مند تھے جن کا نام حاجی کفایت اللہ

تھا، وہ ایک واقعہ بیان کیا کرتے تھے۔

حضرت سیدنا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا ایک مرید ڈاک خانے میں کلرک تھا اس کے متعلق منی آرڈروں کی ترسیل کا کام تھا۔ اس سے منی آرڈروں کی تقسیم کے سلسلے میں کچھ غلطی ہو گئی تھی محکمہ نے اس کی رپورٹ پولیس میں کر دی۔ مقدمہ چلا اور اسے قید کی سزا ہو گئی۔ کلرک اور اس کی بیوی دونوں حضرت سیدنا بریلوی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ عدالت کے فیصلے کے خلاف الہ آباد ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی تھی۔ ایک روز کلرک کی بیوی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ سنا کر دعا اور خیر و برکت کی دعا کے لئے عرض کیا۔ حضرت نے اسے فرمایا کہ وہ "حسبنا اللہ نعم الوکیل" کثرت سے پڑھا کرے۔ وہ اکثر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی۔ اور دعا کے لئے درخواست کرتی۔ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ ہمیشہ وہی "حسبنا اللہ نعم الوکیل" پڑھنے کو فرماتے ایک روز حضرت کی مریدنی پھر حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ آج عدالت سے اس کے شوہر کے مقدمہ کا فیصلہ ہونا ہے۔ حضرت نے پھر وہی وظیفہ جو پہلے کئی بار پڑھنے کو فرمایا تھا۔ آج بھی وہی کثرت سے پڑھنے کی تاکید کی۔ وہ عورت کچھ مایوس سی ہو کر واپس لوٹ گئی۔ جب وہ گھر کے قریب پہنچی تو اس کے بچے بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے اور ماں سے کہا کہ ایک تار آیا ہے عورت نے جب تار پڑھوایا تو اس میں اسے اطلاع دی گئی تھی کہ اس کے شوہر کی اپیل منظور ہو گئی ہے۔

——— رہے نام اللہ کا



ڈاکٹر برھان احمد فاروقی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرانے گریجویٹ اور حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ کے معتقد اور شاگرد ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر پی ایچ۔ ڈی کر چکے ہیں، مجددی تعلیمات پر اکثر لکھتے رہتے ہیں۔

جس دینی فضا میں حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے جدوجہد شروع کی تھی وہ مسلمانوں کے اقتدار سے محروم ہو کر برطانوی استعمار کے تحت محکومی کی فضا تھی اور ہماری حیات دینی کا نقشہ یہ ہو گیا تھا کہ عقائد "اوہام" بن گئے تھے۔ اور عبادات رسوم و ظواہر میں تبدیل ہو گئی تھیں کیونکہ کسی عقیدے اور کسی عبادت کا اثر معاشرت، معیشت، سیاست، ثقافت اور تعلیم پر اس لئے باقی نہیں رہا تھا کہ زندگی کا ہر تقاضا خواہ وہ معاشرتی ہو یا معاشی، سیاسی ہو یا ثقافتی، تعلیمی ہو یا مذہبی —— لادینی نظام سے متعین ہو رہا تھا۔ اور دین انفرادی، نجی ذاتی، شخصی باطنی پہلو سے متعلق ہو کر لادینیت (SECULARISM) سے بیتمام و کمال سازگار ہو گیا تھا۔ عقائد کا تحفظ عملی زندگی میں نتیجہ خیز بنانے کے بجائے ایسے دلائل سے ہو رہا تھا جو زندگی کے عملاً انحراف کی راہ پر آجانے کی وجہ سے کبھی یقین پیدا نہیں کر سکتے تھے اور زوال کی توجیہ اللہ تعالیٰ کی "صمدیت" کے غلط ترجمے "بے نیازی" کے حوالے سے کی جارہی تھی۔ کیونکہ خدا بے نیاز ہو اور بندے مایوس ہوں تو عبودیت جو دین کی اصل حقیقت ہے فنا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اور مذہبی ذہن کا احساس یہ تھا کہ عقائد و عبادات کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے والے غلامی کے لئے مختص کر دیئے گئے تھے اور مادیت کے پرستاروں کو اقتدار دے دیا گیا تھا حالانکہ اصل سبب یہ تھا کہ مذہبی ذہن نے

بے جان عقائد

مردہ رسوم

فرقہ پرستانہ آرزوؤں

اور مفاد پرستانہ گروہ بندیوں

کو پیغمبرانہ راہ حق پرستی سمجھا تھا جسے نتیجہ خیز بنانے میں وہ کامیاب نہ ہو سکا تھا اور وہ مذہبی ذہن جو ہزار برس تک بلکہ اس سے بھی زیادہ دیر تک قرآن مجید سے صرف قانون سازی ہی کے لئے ہدایت طلب کرتا رہا تھا، اقتدار سے محروم ہو کر تمدنی نظام کا عادی ہونے کی وجہ سے اپنے خلاف طاقت کا استعمال دیکھ کر مفلوج ہو گیا تھا۔ اور ضبطیٔ اوقاف کے قانون کے نافذ ہونے کے بعد پہلے اس پر مجبور ہوا۔ کہ مراسم دینی کے اجراء کرانے کی اجرت کا جواز پیدا کرے اور پھر فرقہ پرستیوں کے زیر اثر دین فروشی پر معیشت کا انحصار رہ گیا تھا۔ اور کفر کا فتویٰ جو اسلامی معاشرے سے اخراج کی سزا کی حیثیت رکھتا تھا، فرقہ پرستی کے حربے کے طور پر مروّج ہو گیا تھا۔ اور اقتدار سے محروم ہو کر بھی مذہب قرآن مجید سے صرف قانون سازی ہی کے لئے ہدایت طلب کرتا رہا حالانکہ قانون قوت نافذہ کی پشت پناہی سے محروم ہو کر بے اثر ہو گیا تھا۔ اور کتاب و سنت کو سوائے ماخذ قانون کے کوئی اور حیثیت نہ دے سکا تھا۔ اور اسی وجہ سے ہر چند کہ "خلافت ارضی" قبل از زندگی کی خلافت ہے اور عرض کی حیثیت مستقر (سیاسی) اور متاع (معاشی) کی ہے اس باب میں قرآن مجید سے رہنمائی طلب کرنے سے قاصر رہا کہ جن کی معیشت اور سیاست پر دشمنوں کی گرفت ہو انہیں قرآن مجید سے کیا ہدایت میسر آتی ہے۔

ان احوال میں اعلیٰ حضرت بریلوی نے محسوس کیا کہ قانون ساز مذہبی ذہن ــــــ قوت نافذہ کی پشت پناہی سے محروم قانون کے ذریعہ دینی فضائل کو ان کے ضائع ہو جانے کے بعد بحال نہیں کروا سکتا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کی تشکیل میں ایک محرک حُبِ رسول تھی اور سیرت شخصیت کے نفوذ سے تشکیل پاتی ہے اوامر و نواہی کے ضابطے سے اس کی تشکیل نہیں، حفاظت ہو سکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے تعظیم رسول اور حُبِ رسول کی راہ سے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا۔ مگر ہم فرقہ پرستانہ آرزوؤں سے نہ ابھر سکے اور مذہبی ذہن مایوسی سے نہ نکل سکا۔ اس مایوسی نے اشتراکیت اور قادیانیت کو مقبول بنا دیا ہے۔

"بہار شریعت" کے "بہشتی زیور" سے موازنے کے بغیر باقی مسائل پر میں رائے زنی کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ میں نے جو کچھ سمجھ میں آیا اختصاراً عرض کر دیا۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا غیر ذمہ دارانہ بات ہوگی۔

شیخ الادب ڈاکٹر پیر محمد حسن

امرتسر کی خاک پاک سے تعلق رکھتے ہیں۔ دنیا بھر میں عربی زبان کے سکالر کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔ کامیاب مصنف اور مترجم ہیں۔ تصنیفات میں سے "حیات جاوداں" اور تراجم میں سے "بلوغ الادب" چہار جلد نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ آج کل "العباب" کو ایڈٹ کر رہے ہیں۔

آپ نے مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم و مغفور کے بارے میں اس فقیر کو کچھ تحریر کرنے کے لئے کہا ہے اس سلسلے میں مودبانہ گذارش ہے کہ یہ فقیر جب کسی کے بارے میں قلم اٹھاتا ہے تو پہلے اس کی کتابوں کا کما حقہٗ مطالعہ کرتا ہے۔ پھر کہیں اس کے متعلق کچھ کہنے کے قابل ہوتا ہے۔ میں نے مولانا مرحوم کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ ان کے بارے میں جو کچھ لوگوں نے لکھا ہے۔ اس کے کچھ حصے کا مطالعہ کیا ہے۔ اور اس قدر مطالعے سے جو رائے میں نے ان کی ذات با صفات کے بارے میں قائم کی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے دیوبندی مخالفین میں سے کوئی بھی ان کے لگے کا نہ تھا۔ چہ بلحاظ علم، چہ بلحاظ تقویٰ و پرہیزگاری اور چہ بلحاظ ایک ادیب کے، القصہ وہ ہر پہلو اور ہر لحاظ سے مخالفین پر بھاری تھے۔ ان کے بارے میں صرف یہ کہہ دینا کہ وہ عبقری (GENIUS) تھے۔ کافی نہیں بلکہ اس سے بھی اوپر تھے۔ اس کا تفصیلی بیان ان کی کتابوں کے مطالعہ کے

بغیر نہیں ہو سکتا۔ اب شاید آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ کیوں نہیں کیا، تو عرض ہے کہ علمی دنیا اس قدر وسیع ہے کہ اس دنیا کے صرف ایک شہر کے صرف ایک کوچہ کا کما حقہٗ علم حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اور نہ ہر کوچے کے گرد پھرنا کوئی فائدہ دے گا۔ لہٰذا جس کوچے میں پڑ کر پھنس چکا ہوں۔ اسی سے کامیابی کے ساتھ نکلنا مشکل ہو رہا ہے۔

امید ہے کہ آپ میری مشکل کو سمجھ گئے ہوں گے۔ اور مطلوبہ تفصیل کے نہ لکھنے کی وجہ کو سمجھ جانے کے بعد اس خاکسار کو معذور سمجھیں گے۔

میں ایک فن کا ہو لیا ہوں۔ دن رات اسی کی دھن لگی رہتی ہے۔ اور عمر بھی اتنی گزر چکی ہے کہ اسے چھوڑ کر اور طرف توجہ دوں بھی تو ہاتف کی زبان سے یہی سننا پڑے گا کہ

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

[redacted]

محمد جعفر شاہ پھلواری

حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے فرزند مرکزی جامع مسجد کپور تھلہ کے سابق خطیب آجکل ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے منسلک ہیں۔ اسلامیات پر درجن بھر سے زیادہ کتابوں کے خالق ہیں، جن میں سے "اسلام اور موسیقی" اور "خیابات سرور کائنات" خاصی شہرت رکھتی ہیں۔

جناب فاضل بریلوی کے متعلق میرے تاثرات یا میری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ وہ علوم اسلامیہ، تفسیر حدیث فقہ پر عبور رکھتے تھے۔ منطق، فلسفے اور ریاضی میں بھی کمال حاصل تھا۔ عشق رسول کے ساتھ ادب رسول میں اتنے سرشار تھے کہ ذرا بھی بے ادبی برداشت نہ تھی کسی بے ادبی کی معقول توجیہ و تاویل نہ ملتی تو کسی رو رعایت کا خیال کئے بغیر اور کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی پرواہ کئے بغیر دھڑ سے فتویٰ لگا دیتے۔ انہیں حب رسولؐ میں اتنی فنائیت حاصل تھی کہ غلو کا پیدا ہو جانا بعید نہ تھا۔ تقاضائے ادب نے انہیں بڑا حساس بنا دیا تھا اور اس احساس میں جب خاصی نزاکت پیدا ہو جائے تو مزاج میں سخت گیری کا پہلو نمایاں ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں، اگر بعض بے ادبانہ کلمات کو جوشِ توحید پر محمول کیا جا سکتا ہے تو تکفیر کو بھی محبت و ادب کا تقاضا قرار دیا جا سکتا ہے اس لئے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ کو میں اس معاملے میں معذور سمجھتا ہوں لیکن یہ حق صرف اسی کے لئے مخصوص جانتا ہوں جو فاضل موصوف کی طرح فنافی الحب والادب ہو۔

حضرت فاضل بریلوی کی حبِ رسول ہی تھی جس نے نعتوں کا پیکر اختیار کیا۔ نعت کہتے وقت وہ کوئی قافیہ نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لئے نعت عموماً طویل ہو جاتی تھی۔ بعض اشعار تو ایسے انوکھے ہوتے تھے جن کا جواب مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ مثلاً

لحدیں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا
گروں کا سہارا عصائے محمد

رضائے محمد رضائے الٰہی
رضائے الٰہی رضائے محمد

مولانا کو تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ انہوں نے بے شمار کتابیں لکھیں۔ لیکن ہر کتاب کا نام ایسا رکھا جس سے مقصد کتاب پر بھی روشنی پڑے۔ اور اسی نام سے تاریخ طباعت بھی نکل آئے۔ یہ خصوصیت شاید ہی کسی دوسرے مصنف کو حاصل ہوئی ہوگی۔

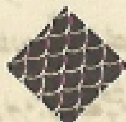
حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان حنفی قادری بریلوی قدس سرہٗ کا علمی مرتبہ اہل علم پر واضح ہے۔ اور ان کی دینی و ملی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔

میرے نزدیک اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی سب سے بڑی متاع ان کا عشقِ رسولِ پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ ؎

ہر کہ عشقِ مصطفٰے سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سرمدی سے نوازے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔



حافظ لدھیانوی

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے بارے میں تحریر کرنا میرے جیسے بے بضاعت کا کام نہیں۔ ایسے ممتاز اور جید عالم کے لئے علمی تبحر، ژرف نگاہی اور وجدانی کیفیات کا ہونا لازمی امر ہے مجھے اس اعتراف میں باک نہیں کہ میں ان تمام علمی منازل سے ناآشنا ہوں۔ میں تو ان بزرگوں کی مجلس میں آخری صف میں بیٹھنے کے بھی لائق نہیں۔

حضرتِ اعلیٰ کی سب سے نمایاں جہت عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تمام کمالات، تمام فضائل، تمام اوصاف کا سرچشمہ دراصل عشقِ رسول ہی ہے۔ اس سرچشمۂ فیوض وبرکات سے اعلیٰ حضرت کو سیراب کیا گیا اس کی سرمستی اس کا خمار ہر شعر میں جلوہ گر ہے بادۂ عشقِ مصطفےٰ حضرت کے ریشے ریشے میں ایسی طرح سرایت کر گیا تھا کہ ان کی گفتگو کا محور، ان کے کلام کا رنگ، ان کی سوچ کا انداز، ان کے فکر کا مرکز عشقِ رسول اور صرف عشقِ رسول تھا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ان کے پیکر پر عشقِ مصطفےٰ کی قبا راس آئی۔ ان کے ہر قول، ان کے ہر فعل، ان کے طرزِ زندگی سے عقیدت ومحبت کی جلوہ سامانیوں کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ بہت کم مقبولانِ بارگاہ ایسے ہوتے ہیں جن کی خاموشی میں عقیدت کا حسن، جن کی حرکات میں محبت کی لہر، جن کے چشمۂ چشم سے والہانہ عقیدت کا اظہار ہوتا ہو۔

شہرِ رحمت وبرکت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں کے ساتھ جس جنون افزا کیفیت کا مظاہرہ فرمایا، یہ پاکانِ بارگاہ کا حصہ ہے۔ اس دیارِ انوار میں جانوروں

کو جس انداز سے دیکھا، یہ عشق کی انتہا اور محبتِ رسول کی معراج ہے۔

حضرت کے نعتیہ اشعار میں ایک نسبتِ خاص کا پتہ چلتا ہے نعت کا ہر مصرعہ اور ہر شعر ایک فیضِ خاص کی دلیل ہے۔ یہ منصب جلیلہ منتخب افراد کا حصہ ہوتا ہے۔ جن کو سرکار نے اپنی مدح کے لئے منتخب فرمایا ہو۔ لوحِ زمانہ پر تا قیامت ان کے نام تابندہ و درخشاں رہیں گے، محبوبِ خدا کے دامن سے وابستگی کے بعد دنیا کی کوئی طاقت اس کے نام کو محو نہیں کر سکتی کیونکہ نعت رضائے حبیبِ خدا کا مظہر اللہ تعالیٰ کے کرم کی دلیل ہے، کریم کا کرم لامتناہی ہوتا ہے۔ اس لئے نعت گو کو بقائے دوام حاصل ہونا ضروری ہے، اعلیٰ حضرت تو اس کرمِ خاص سے نوازے گئے تھے۔ ان کی نعتیہ شاعری قلوب کے مجلوں اور ذہنوں کے اوراق پر رقم کر دی گئی۔ حضرتِ اعلیٰ نے زندگی کے ہر موڑ پر عشقِ رسول کی شمعیں فروزاں کیں، یہ شمعیں تا قیامت نور بکھیرتی رہیں گی اور آنے والے کو جادۂ عشقِ مصطفےٰ کی طرف رہنمائی کرتی رہیں گی۔ اور اعلیٰ حضرت کا نام زمانے کی جبیں پر تا ابد تابندہ رہے گا۔

حافظ مظہر الدین

آپ کا شمار اُردو کے چوٹی کے نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔

"تجلیات" اور "جلوہ گاہ" نعتیہ ادب میں اہم مقام کی حامل ہیں، چشتیہ سلسلہ میں حضرت خواجہ سراج الحق کرنالوی سے بیعت ہیں، کسی زمانہ میں روزنامہ "کوہستان" میں ایک کالم "نشانِ راہ" لکھا کرتے تھے جو صاحب ذوق حضرات میں بہت مقبول تھا:

اعلیٰ حضرت پر لکھنے کے لئے جس ذہنی فراغ کی ضرورت ہے وہ تو میسر نہیں ہیں ان دنوں اپنا نیا مجموعۂ نعت لکھ رہا ہوں، صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کریم نے بروقت اعلیٰ حضرت کو دینی خدمات پر مامور کیا۔ اگر اعلیٰ حضرت حق و باطل میں امتیاز کرنے کا کام اپنے ذمے نہ لیتے تو سنیت کا انجام بڑا ہولناک ہوتا کیونکہ اس عہد میں حکیم الامت اور شیخ الہند کہلانے والے بات بات پر شرک و بدعت کے فتوے لگا رہے تھے۔ حد یہ ہے کہ یہ لوگ میلاد شریف کو بھی کنہیا کے جنم سے بدتر قرار دے چکے تھے۔ ایسے وقت میں اعلیٰ حضرت نے کلمۂ حق بلند کیا۔ اور ان لوگوں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا۔

جب میں اس عہد کی تاریخ پر غور کرتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو تائیدِ ربانی حاصل تھی۔ ورنہ وہ تنہا اتنا کام نہ کر سکتے۔

یوں تو اعلیٰ حضرت نے ہر موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں معترضین کو مسکت جواب دیئے گئے ہیں، لیکن وہ اتنا کام نہ بھی کرتے تو سنیت کے احیاء و بقا

کے لئے ان کی نعتیہ شاعری ہی کافی تھی۔

نعتیہ شاعری کی تاریخ میں اس اعتبار سے اعلیٰ حضرت منفرد نظر آتے ہیں، کہ انہوں نے اپنے نعتیہ کلام کو تبلیغِ حق کا ذریعہ بھی بنایا اور تبلیغِ عشق کا بھی، مخالفین کے اعتراضات کے جواب بھی دیئے اور روحوں کو زندگی بھی عطا کی، غیر ممکن ہے کہ کسی جگہ اعلیٰ حضرت کا کلام پڑھا جائے اور محفل پر انوار نہ برسیں۔ محبوبِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ثنا گستری نے انہیں بوصیری کا مقام عطا کر دیا تھا۔ اور وہ عالمِ بیداری میں حضور کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔

اعلیٰ حضرت کے مخالفین میں ایک انسان بھی ایسا نہیں جس کی کوئی نعت مقبولیت کا درجہ حاصل کر سکی ہو بلکہ یہ لوگ تو نعت کی لذت سے کیف گیر ہونے کی صلاحیت سے بھی محروم ہیں۔

مختصر یہ کہ اعلیٰ حضرت نے عشق کو اک نیا ولولہ بخشا عشق و محبت کی جو شمعیں فروزاں کیں ان کا نور پے بہ پے بڑھ رہا ہے ان کی روشنی فزوں ہو رہی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے حالات قلمبند کرتے وقت ہمارے اسلاف کی زیادہ تر توجہ ان کے علمی کارناموں پر مرکوز رہی، سیاسی زندگی کو انہوں نے زیادہ قابلِ التفات نہیں سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مخالفین کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل گیا کہ سیاسیات میں ان کا کوئی حصہ نہیں نظریاتی مباحث میں الجھانے سے ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ یہاں انگریز کے پاؤں مضبوط ہوں۔

الحمدُ للہ اس عہد میں اس زہریلے پروپیگنڈے کا اثر بھی زائل کر دیا گیا ہے۔ اور حقائق کھل کر سامنے آگئے ہیں، اب کسی بدخواہ کو ایسی بات کہنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

بعض احباب اور بزرگ مجھے بھی مجبور کرتے ہیں کہ میں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے تابناک پہلوؤں پر خامہ فرسائی کروں لیکن میرا جواب یہی ہوتا ہے کہ میں نعت گوئی کے ذریعے اعلیٰ حضرت ہی کے مقاصد کی تکمیل کر رہا ہوں، آخر نعت کے محاذ پر بھی تو کام ہونا چاہئے۔

شاعرِ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری

حافظ مظہر الدین میرے بزرگ زادہ ہیں۔ ان سے میرا پتہ ملا۔ خوشی ملی۔ ان کا اور آپ کا ارشاد جس بزرگ کے بارے میں کچھ لکھ بھیجنے کا ہے، مجھے ان کی حیاتِ مبارک کے مطالعہ کا شرف حاصل نہیں۔ البتہ بچپن کئے یا لڑکپن ان کے قلم سے چند ابیاتِ نعت نے میرے قلب میں محبتِ حضور کی روشنی میں توانائی بخشی۔ اُن کے کلام[1] میں زبان و بیان کے ساتھ انتہائی خلوص پایا۔ البتہ میری یہ لیاقت نہیں۔ کہ میں ان پر کوئی مقالہ مطالعہ کے بغیر لکھ بھیجوں، البتہ میں ان کو عشاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں صفِ اوّل پر دیکھتا ہوں۔ ان کا لکھا ہوا سلام مولود شریف کی محفلوں میں سنتا ہوں۔ مسرت کے ساتھ محبت شامل پاتا ہوں۔

آپ کو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ میں کچھ مدت سے بحالتِ علالت سانس سے رہا ہوں۔ دماغ کی رگیں پھٹ جانے کے سبب بے ربط لکھنا بھی مشکل ہے۔ طالبِ عفو ہوں۔

---

[1] وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں، یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
یہ نعت بھیرہ کے ایک جلسہ میں علامہ ابوالنور محمد بشیر صاحب مدظلہ نے پڑھی تو جلسہ میں حضرت حفیظ جالندھری بھی موجود تھے۔ انہوں نے یہ نعت سن کر فرمایا کہ مولانا یہ کس کا کلام ہے یہ تو کسی استاذالاساتذہ کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ اور جب مولانا صاحب نے انہیں بتایا کہ یہ اعلیٰحضرت کا کلام ہے تو انہوں نے شاعرانہ کمال کی خوب داد دی۔

(ماہنامہ "فیضِ رضا" لائل پور۔ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۸)

راجا رشید محمود ایم اے

ضلع جہلم کے ایک چھوٹے سے گاؤں "کھود" کے رہنے والے ہیں۔ شعر و ادب کا پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق ہیں۔ ثنائے خواجہ میں کہی ہوئی ان کی نعتوں کا ایک مجموعہ "ورفعنالک ذکرک" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

"اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی عظیم شخصیت پر اپنے تاثرات قلمبند کرنا مجھ ایسے ہیچمدان اور بے علم کے لئے ممکن ہی نہیں، ایسی شخصیتیں مادرِ گیتی خال خال پیدا کرتی ہے، جو ہمہ صفت موصوف ہوں، جن کے علم کی حدود متعین کرنا ناممکن ہو۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عظیم مفسرِ قرآن تھے۔ آپ کے ترجمۂ قرآن پاک "کنز الایمان" کی ایک ایک سطر، ایک ایک نقطہ ایک ایک حرف ان کی قرآن فہمی کا بولتا ہوا ثبوت ہے وہ عدیم المثال محدث تھے۔ وہ فقید المثال فقیہ تھے۔ انہوں نے فقہ کے بحر بیکراں سے ایسے ایسے موتی نکالے ہیں کہ دنیا عش عش کر اٹھی ہے۔ وہ ایسے شاعر تھے جنہیں علم العروض پر کامل دستگاہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری عقیدت و ارادت تھی لیکن ان کی نثر کی طرح ان کی نظم بھی احکامِ شریعت کے عین مطابق ہوتی تھی۔ وہ ریاضی، نجوم، صرف و نحو، فلسفہ اور بیسیوں علوم کے ماہر بھی تھے، لیکن بنیادی طور سے وہ عالمِ دین تھے۔ وہ دین کی روح سے واقفیت رکھتے تھے۔ یعنی انہیں علم تھا، کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اصلِ ایمان ہے

مگر یہ نہیں ہے تو علم بیکار محض ہے۔ اسلام کا زبانی اقرار بے فائدہ ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان سنتِ خداوندی پر عامل تھے۔ اللہ کریم نے نورِ مجسم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا کی، اعلیٰ حضرت نے اسے شعار بنایا۔ خداوندِ عزوجل نے حضور کے معاندین کو خوار و رسوا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس روش کو اپنایا۔ خالق و مالک نے کسی ایسے لفظ کو گوارا نہیں کیا، جس کی معنویت ہی کی وجہ سے حضور کی ادنیٰ توہین کا پہلو نکلتا ہو اعلیٰ حضرت نے ہر ایسے لفظ، ہر ایسے حرف سے ملت کو بچانے کی سعیِ پیہم کی، جو حضور کے علوِ مرتبت سے فروتر ہو۔

جتنی کم عمری میں اعلیٰ حضرت نے علوم دین و دنیا کی تحصیل کر لی، کوئی دوسرا شخص سوچ بھی نہیں سکتا۔ جتنے کم وقت میں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا، عام آدمی ناظرہ نہیں پڑھ سکتا۔ جتنی کتابیں آپ کی تصنیف ہیں، ان کے بوجھ سے اعلیٰ حضرت کے بیسیوں مخالفین دم گھٹ کے مر جائیں بہرحال ان کی کس کس بات کی تعریف کی جائے۔ کون تعریف کرے۔ وہ عظیم شخصیت، جو پچاس سے زیادہ علوم کی فاضل ہو، ہزار سے زیادہ کتابوں کی مصنف ہو، اس کے بارے میں ایک ایسا آدمی، جسے پچاس علوم میں سے بیسیوں کے نام بھی نہ آتے ہوں اور جو اس کی کتابوں کے نام پڑھنے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو، ان پر خامہ فرسائی کی جسارت کیسے کر سکتا ہے۔

[redacted]

جناب رئیس امروہوی

ان کا شمار پاکستان کے چوٹی کے اہلِ قلم میں ہوتا ہے۔
ان کا شعری مجموعہ "الف" اردو ادب میں اہم اضافہ ہے۔
کئی سال سے روزنامہ "جنگ" میں قطعات اور کالم لکھتے
ہیں۔ جو اخبار بین طبقہ میں بہت مقبول ہیں۔

آپ نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں میرے تاثرات دریافت کئے ہیں حیران ہوں کہ اس باب میں کیا لکھوں، چراغِ مردہ، نورِ آفتاب کی کیا مدح کر سکتا ہے۔ ان جیسا عاشقِ رسول، نعت گو، منقبت سرا محدثِ عالم، مصنف اور فقیہ و شارحِ قرآن مجید کہاں پیدا ہوتا ہے ان کی تصانیف نثر اور ان کی شاعری کیف و سرور سے لبریز ہے جس سے عجب طرح کا انشراحِ صدر ہوتا ہے روح پر اہتزازی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اک صوفیِ باصفا اور اور عالمِ جلیل تھے۔ ایسی کمیاب شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں۔ عہد آفریں بھی!

سالہا باید کہ یک سنگ تابِ آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

سرور بجنوری

ضلع بجنور یوپی (انڈیا) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایک اچھے نعت گو کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کی نعتیہ شاعری کا چرچا عام ہے۔ پاک و ہند میں شاید ہی کوئی پڑھا لکھا شخص ایسا ہوگا جس نے کبھی آپ کی کسی نعت کو سن کر سر نہ دھنا ہو۔ آپ کی ہر نعت سوز و گداز سے بھرپور ہے۔ "از دل خیزد بر دل ریزد" کے مطابق

؎ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

وہ سچے عاشق رسول اور جلیل القدر انسان تھے۔ خدا کے محبوب کی محبت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کے شب و روز پیروی سنتِ خیر الانام میں بسر ہوتے تھے جس کا ثبوت ہمیں ان کی عملی زندگی سے ملتا ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ کو نعت گوئی میں یقیناً وہ اعلیٰ مقام حاصل ہے جو آسانی سے کسی شاعر کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان نعتوں کا ہر شعر عشق رسول کا آئینہ دار ہے۔ جو درود و سلام اور گلہائے عقیدت انہوں نے پیش کئے ہیں وہ بے نظیر و بے مثال ہیں۔ اور آج ملک کا گوشہ گوشہ ان سے گونج رہا ہے۔

؎ مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

پروفیسر ڈاکٹر سید سخی احمد ہاشمی

مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل، زہد و تقویٰ اور عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لحاظ سے اپنے معاصرین میں اپنی الگ حیثیت سے ممتاز ہیں۔ ان کی بے شمار کتب و رسائل جن کی تعداد ہزار سے متجاوز بتلائی جاتی ہے ان کے علم و فضل پر گواہ ہیں۔ ان کے حالات زندگی ان کے زہد و تقویٰ پر شاہد ہیں۔ اور ان کے اشعار عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھرپور، ان کی شخصیت نے اپنے زمانے کو بہت متاثر کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سے لوگوں کو اختلاف تھا۔ اختلاف رائے سے اکثر الجھنیں دور بھی ہوتی ہیں اور نئے نکات و عوامل فکر دیتے ہیں اس طرح ہر فریق کے علم و فضل کا اندازہ ہوتا ہے اگر تعصب اور تنگ نظری کو بالائے طاق رکھ کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کو دیکھا جائے تو، اس میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ باوجود اختلاف رائے کے اکثر معاصرین حدیث و فقہ میں مولانا کی بصیرت کے قائل ہیں۔ اور یہ وہ خوبی ہے جس کا حق اسی کو ہوتا ہے جس پر اللہ کا کرم ہو۔

مولانا نے علم حدیث، فقہ اور علم ریاضی میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کو منظر عام پر لانے اور علمی دنیا کو متعارف کرانے کی ضرورت ہے

کچھ لوگوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ مولانا کی علمی و ادبی خدمات پر تحقیقی کام کریں۔ چنانچہ اس طرف توجہ ہوئی ہے اور سندھ یونیورسٹی میں اس کے لئے درخواست بھی دی جا چکی ہے۔

سیّد شان الحق حقی

عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمان کے لئے سرمایہ حیات ہے۔ میں اسے توشۂ آخرت نہیں کہوں گا کیونکہ عشق کو اجر سے کیا کام۔ البتہ یہ سچ ہے کہ عشق رسول دنیا میں بہت سی نیک صلاحیت لوگوں کے لئے جو ہر اخلاق کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہوتا ہے اور بےشک آخرت میں بھی عقیدۂ اسلامی کے مطابق اجر و ثواب کا ضامن ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ عاشقان رسول میں ممتاز مقام رکھتے تھے ان کا خلوص و محبت میں ڈوبا ہوا نعتیہ کلام نہ صرف ان کے جذبۂ صادق کا مظہر ہے بلکہ بہت سے مؤمنین کے لئے بھی گداز قلب حاصل کرنے اور اپنی ارادت کو مولانا کی خوش مقامی کے سہارے ادا کرنے کا باعث ہوا اور ہوتا ہے یہ خود مولانا کے لئے بھی بڑی سعادت ہے کہ اتنے عاشقان رسول ان کے دل سے نکلے ہوئے کلام کو اپنے دل کی آواز سمجھ کر پڑھتے سنتے اور اس پر وجد کرتے ہیں۔ اس حیثیت سے اس کا ادبی پایہ اور بھی بلند ہو جاتا ہے۔ بہترین تخلیقات وہی ہیں جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے روحانی سرور اور اخلاقی بصیرت کا ذریعہ ہوں۔ میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے مبرا ہے، اس پر کسی ادبی تنقید کی ضرورت نہیں۔ اس کی مقبولیت اور دلپذیری ہی اس کا سب سے بڑا ادبی کمال اور مولانا کے شاعرانہ مرتبے پر دال ہے۔

حسنِ تاثیر کو صورت سے نہ معنی سے غرض
شعر وہ ہے کہ لگے جھوم کے گانے کوئی شخص

انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنے فطری جذبے سے کہا ہے، کوئی شاعرانہ ناموری مقصود نہ تھی چنانچہ ان کے قدر شناس اور ارادت مندان کو شاعر کی حیثیت سے کم اہل دل اور اہل اللہ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔

جناب شمس بریلوی

سابق صدر مدرس "منظر اسلام" بریلی شریف۔ ایک کامیاب مترجم کی حیثیت سے مشہور ہیں اور کراچی میں قیام ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی شاعری پر میری کتاب شائع ہو چکی ہے۔ حضرت قدس سرہٗ کی شاعری کے سلسلہ میں آپ کو اس تحقیقی جائزہ میں بہت کچھ مل جائے گا۔ یہ کتاب ۲۵۰ صفحات پر محیط ہے۔ اس میں صرف حضرت قدس سرہٗ کی شاعری کے ہر پہلو سے جائزہ لیا گیا ہے۔ حضرت والا قدس سرہ کے تبحر علمی کے سلسلہ میں کیا عرض کروں اسلامیات کا وہ کون سا موضوع ہے جس پر حضرت نے خامہ فرسائی نہ فرمائی ہو میرے تحقیقی جائزے میں یہ ایک مستقل عنوان ہے۔ افسوس کہ اعلیٰ حضرت کے فرزند اصغر مولانا مصطفےٰ رضا خان صاحب کے اعراض اور سہل انگاری کے باعث بیسیوں مسودات تلف ہو گئے۔ اور میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ کہ چار الماریاں دو سے کی ان مسودات سے پر تھیں۔ آپ کو حیرت ہوگی سنہ ۳۸ء میں فیروز سنز لاہور نے اپنے ایک نمائندہ غوری صاحب کو بریلی شریف بھیجا کہ اعلیٰ حضرت کے قرآن پاک کے ترجمہ کو طبع کرنے کے لئے حاصل کریں۔ اور غوری صاحب مسلسل دو سال تک آستانہ رضویہ پر ڈیرے ڈالے رہے۔ لیکن ان کی درخواست کی پذیرائی نہیں ہوئی۔ اسی طرح دوسرے مسودوں کا حال ہے اب۔ تو ان سینکڑوں مسودات سے دو چار ہیں۔ باقی نہیں رہے ہوں گے۔ میں آپ سے اپنے مشاہدہ کی بات سنہ ۴۴ء اور سنہ ۴۵ء

کے درمیان کی کر رہا ہوں. تقریباً تیس پینتیس سال گزر گئے.

آپ یقین فرمائیں کہ اگر وہ مختلف الموضوع مسودات شائع ہو جاتے. تو دنیائے علم و ادب حیران رہ جاتی. حضرت کی موجودہ شائع شدہ تالیفات میں "فتاوی رضویہ چار مجلدات (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) اور ترجمہ قرآن شریف شائع کردہ تاج کمپنی کراچی سر فہرست ہیں اور بہت سی تصانیف پر بھاری ہیں. یہ چند سطور جو میں نے تحریر کی ہیں. آپ کا برمحل شعر پڑھ کر اور محظوظ ہو کر تحریر کی ہیں. حضرت کی شاعری کا تحقیقی جائزہ، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی سے شائع ہو چکا ہے.

جناب جسٹس سید شمیم حسین قادری

بٹالہ ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) کے صاحب رشد و ہدایت خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں. تحریک پاکستان کے انتھک کارکن رہ چکے ہیں. آج کل لاہور ہائی کورٹ میں چیف جسٹس کے فرائض ادا کر رہے ہیں.

میں نے حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کے حالات جو سُنے اور پڑھے ہیں. ان سے میری معلومات کے مطابق وہ میرے دادا مرشد شاہ ظہور الحسن قادری فاضل بٹالہ شریف (مشرقی پنجاب) کے ہمعصر تھے. شاہ ظہور الحسن اور حضرت چونکہ ہر دو فاضل اجل اور عالم بے مثال تھے. اس لئے ان کی آپس میں اکثر دید و شنید رہتی تھی. آپ کے کمالات میں سے تفسیر قرآن کریم ہی بے مثال (CiNTRIBUTION) ہے. آپ کا رسول کریم سے عشق آپ کو نعت گوئی کی طرف بھی لے گیا. اور جو سلام آپ نے لکھا. حضور نبی کریم کو بے حد پسند معلوم ہوتا ہے اس کے پڑھنے سے حضور کا ظہور مجلس میں محسوس ہوتا ہے. آپ نے اپنی زندگی خدمت دین و درس و تدریس میں گزاری. اور ملت کے لئے بے بہا علمی سرمایہ چھوڑ گئے

شعر بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ابو زاہد عابد نظامی

ضیائے حرم - لاہور کے مدیر معاون کی حیثیت سے جانی پہچانی شخصیت ہیں۔

اردو نعت گوئی میں جو مقام اور مرتبہ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، وہ بہت ہی کم شعراء کو حاصل ہوا ہے۔ ان کی نعت گوئی کے وہ لوگ بھی دل سے قائل ہیں جو ان کے سخت مخالف ہیں۔ مولانا کا نعتیہ دیوان اگرچہ مختصر ہے، لیکن کیفیت کے اعتبار سے اکثر بھاری بھرکم دیوانوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ عشقِ رسول کا جذبہ جو میرے نزدیک دین کی بنیاد ہے۔ آج کل دلوں سے ختم ہو رہا ہے (یا سازش کے تحت ختم کیا جا رہا ہے) اس کی بحالی اور ترقی کے لئے حضرت مولانا بریلوی کی نعتوں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ کاش یہ کام سلیقے سے ہو! نفرت کے بجائے محبت کو شعار بنایا جائے اور اس سے لوگوں کے دلوں کو فتح کیا جائے کہ یہی ہمارے مشائخ کا طریقہ ہے۔

جناب علامہ شاہ عارف اللہ قادری

میرٹھ کے ممتاز صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد گرامی مولانا شاہ حبیب اللہ کا شمار اعلیٰ حضرت کے ممتاز خلفاء میں تھا۔ آپ کو تحریک پاکستان کے ہراول دستہ میں کام کرنے کا شرف حاصل تھا۔ آخری ایام تک تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ ایک عرصہ تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان کے چیئرمین کے منصب پر فائز رہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس صدی کے عظیم مجدد تھے۔ اور اسی لئے انہوں نے اپنی تصانیف و تالیفات کے ذریعہ مسلک اہل سنت کی وہ خدمت انجام دی جو اکابرین علماء سے نہ ہو سکی۔ اعلیٰحضرت کا یہ کتنا عظیم تجدیدی کارنامہ ہے کہ انہوں نے ہر اس فتنہ کی سرکوبی فرمائی جس نے اسلام کے خلاف سر اٹھایا۔ اعلیٰ حضرت نے تقریباً ۵۴ علوم و فنون میں سیر حاصل کتابیں لکھیں اور میں پورے وثوق کے ساتھ یہ لکھ سکتا ہوں کہ ان میں بعض وہ فنون بھی شامل ہیں جن کے نام سے کوئی نا آشنا تھے۔

اعلیٰ حضرت کی فقاہت و علمی بصیرت نے بہت سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی علماء عرب کو سلطان العلماء والمحققین۔ فکان من معجزات نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یکتائے زمانہ وحید عصر، علوم کی ظاہر و باطن مشکلات کھولنے والا۔ دائرہ معارف کا مرکز، امام وقت، اگلوں کا فخر اور پچھلوں کا پیشوا، بدعتوں کا اکھاڑنے والا اور سنتوں کا احیاء کرنے والا جیسے القاب و خطابات لکھنے پر مجبور کر دیا۔ امام احمد رضا بریلوی کی عظمت کے لئے اتنا لکھنا کافی ہے کہ دنیائے سنیت سے تعلق رکھنے والا خواہ کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو بریلوی کہلاتا ہے اور فرق ضالہ کی صفوں میں اعلیٰ حضرت کے نام سے ہل چل مچ جاتی ہے۔

جناب ڈاکٹر عبادت بریلوی

پاکستان کے بلند پایہ محقق کلیات میر مرتب کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ اردو ادبیات کا شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس پر آپ نے قلم نہ اٹھایا ہو، آج کل یونیورسٹی اورنٹیل کالج میں پرنسپل ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب بہت بڑے عالم دین، مفکر اسلام اور عاشق رسول تھے۔ ان کا نام علمائے اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ انہوں نے اپنی تصانیف سے علوم اسلامی میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ میں نے اختصار کے ساتھ اپنی رائے لکھ دی ہے۔

جناب میاں عبدالرشید

حضرت احمد رضا خان بریلوی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے میدان سیاست میں نیشنلسٹ مسلمانوں کی سخت مخالفت کی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہندو مفادات کو تقویت پہنچا رہے تھے۔ حضرت بریلوی کا موقف یہ تھا کہ کافروں اور مشرکوں سے مسلمانوں کا ایسا اشتراک عمل نہیں ہو سکتا، جس میں مسلمانوں کی حیثیت ثانوی ہو انہوں نے گاندھی اور دوسرے ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے جانے کی بھی مخالفت کی کیونکہ قرآن پاک کی رو سے مشرکین نجس اور ناپاک ہیں۔ اسی بنا پر آپ نے تحریک خلافت کی بھی مخالفت کی۔ آپ بھی "قائد اعظم" کی طرح "تحریک عدم تعاون" اور "تحریک ہجرت" دونوں کے مخالف تھے، کیونکہ یہ دونوں تحریکیں اس برِ عظیم کے مسلمانوں کے مفادات کے منافی تھیں۔ بیشتر دیوبندی علماء کانگریس کے حامی تھے۔ ان کا یہ رویہ بڑا عجیب تھا، کہ ایک طرف وہ انگریز کی مخالفت کے زور میں ہندو کانگریس کی گود میں جا گرے تھے اور دوسری طرف وطنیت یا نیشنلزم جیسے مغربی نظریہ کو، جو اسلام کے منافی تھا، اپنا رہے تھے اسی طرح ان کا یہ طرز عمل بھی سب سے بالا تھا، کہ جب وہ پارلیمانی جمہوریت کے حق میں تھے۔ تو پھر ہجرت کے ذریعے اندرون ملک مسلمانوں کی تعداد کیوں کم کرنا چاہتے تھے۔ پارلیمانی جمہوریت میں تو سیاسی اقتدار کی بنیاد ووٹوں کی تعداد قرار دی گئی ہے، لیکن چونکہ ان دنوں برِ عظیم کا تقریباً سارا پریس ہندو کے قبضے میں تھا، اس لئے اس میں حضرت بریلوی کے خلاف بدنیتی سے انہیں بدنام کرنے کی ایک مہم شروع کر دی گئی، اور یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ آپ انگریزی اقتدار کی مخالفت نہیں چاہتے۔ حالانکہ حضرت بریلوی کا موقف یہ تھا کہ ہندو اور انگریز دونوں مسلمانوں کے مخالف ہیں

یہی علامہ اقبال کا موقف تھا، اور اسی کو بعد میں قائداعظم نے اپنایا، حضرت بریلوی فرمایا کرتے تھے، کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کی ابھی ایک آنکھ کھلی ہے، انہیں چاہئے کہ وہ دونوں آنکھیں کھولیں یعنی ابھی وہ صرف انگریز کی مخالفت دیکھ سکے ہیں، ہندو کا تعصب اور عداوت نہیں دیکھ پائے۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی، یہ گویا آپ کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ یہ قرارداد منظور ہوتے ہی حضرت بریلوی کے تمام عقیدت مند، علماء اور صوفیاء تحریک پاکستان کے حق میں ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے تمام تر مخالفتوں کے باوجود پاکستان قائم کرکے دکھا دیا۔

ڈاکٹر غلام مُصطفےٰ خان

سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس سلسلہ کی بے شمار نادر و نایاب کتابیں مرتب کرکے شائع کر چکے ہیں۔ قدیم اور جدید اردو پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ آپ کے بلند پایہ تحقیقی اور تنقیدی مضامین پاکستان کے علمی رسائل میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ کے ذکر و فکر، قول اور عمل سب پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق غالب تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (م سنہ ۱۲۷۷ھ) کے بعد حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی کتابوں اور تقریروں میں عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو اپنا موضوع بنایا تھا۔ اور اس موقف سے ذرا بھی ہٹنا گوارا نہیں تھا۔ دین کے علاوہ ادب میں بھی ہر جگہ ان کا موقف یہی تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب غالباً واحد عالم دین ہیں جنہوں نے اردو نظم و نثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کئے ہیں۔ اور اپنی سلمیت سے اردو شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ وہ عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو اصل تصوف سمجھتے تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

راہِ عرفاں کے جو ہم نادیدہ رو محرم نہیں ؛ مصطفیٰ ہیں مسند ارشاد پر کچھ غم نہیں

ایک غزل میں محاسبۂ نفس جس انداز سے کیا ہے۔ اس پر جدید اردو شاعری کو بھی رشک

آتا ہوگا۔ وہ غزل یہ ہے:۔

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے — سونے والو جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف اڑا لیں یاں وہ چور بلا کے ہیں — تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا — ہائے مسافر دم میں نہ آنا، مت کیسی متوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے — تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے
جگنو چمکے، پتا کھڑکے، مجھ تنہا کا دل دھڑکے — ڈر سمجھائے کوئی پون ہے یا اگیا بیتالی ہے
بادل گرجے، بجلی تڑپے، دھک سے کلیجہ ہو جائے — بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے
پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی، کچھ سنبھلا پھر اوندھے منہ — مینہ نے پھسلن کر دی ہے اور دھر تک کھائی نالی ہے
پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں — ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے
تم تو عرب کے چاند ہو پیارے تم تو عجم کے سورج ہو — دیکھو مجھ بے کس پر شب نے کیسی آفت ڈالی ہے

اگر حضرت مولانا کی تصانیف سے محاورات، تشبیہات اور استعارات ہی کو جمع کر لیا جائے تو ان کا ایک بہت بڑا ذخیرہ مہیا ہو سکتا ہے۔

اب مولانا کے ایک ممتاز خلیفہ جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کا اور راقم الحروف پر جو ڈانٹ پڑی تھی، اس کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ مولانا سلیمان اشرف صاحب م سنہ ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے صدر تھے اور یونیورسٹی کی جامع مسجد میں عصر کے بعد تفسیر اور مغرب کے بعد بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ میں نے سنہ ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ سے میٹرک اور سنہ ۱۹۳۱ء میں انٹرمیڈیٹ پاس کیا تھا۔ اور اسی سال وہاں یونیورسٹی میں بی اے میں داخلہ لیا تھا۔ جامع مسجد کے قریب عثمانیہ ہوسٹل میں قیام تھا۔ اس لئے اس مسجد میں مولانا سلیمان اشرف صاحب سے مستفیض ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ دریافت کیا کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جبل پور سے۔ فرمانے لگے کہ وہاں میرا ایک دوست عبدالسلام رہتا ہے کیا تو اسے جانتا ہے؟ میں

نے عرض کیا کہ میں تو ان کے خادموں میں سے ہوں۔ فرمایا، اب وہاں جانا، تو اس سے میرا سلام کہنا، میں نے عرض کیا، کہ بہتر ہے۔ تعارف کے بعد اب درس میں پابندی سے حاضر ہونے لگا۔ آپ اس وقت سورۂ الشعراء پڑھا رہے تھے۔ جب اس کی بیسویں آیت پر پہنچے۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝

تو ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ ضالین کے کیا معنی ہیں؟ ہر ایک سے خطاب کر کے فرمایا، تو بتا، تو بتا۔ سب ان کے رعب کی وجہ سے خاموش تھے۔ میری خوش بختی یا کم بختی آئی تو میں بول اٹھا کہ ضالین کے معنی گمراہوں کے ہیں۔ بس مولانا غصے میں سرخ ہو گئے اور ڈانٹ کر فرمایا "چپ نالائق" خیر، بات ختم ہو گئی۔ اور اس آیت کے معنی انہوں نے وہی بتلائے جو مولانا احمد رضا خان صاحب کے ترجمۂ قرآن پاک میں ہیں۔ یعنی "موسیٰ نے فرمایا، میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی"۔

یعنی "خود رفتگی" سے مراد ہے جیسا کہ سورۂ یوسف (۹۵) اور والضحیٰ (۷) میں بھی ہے

اس واقعے کے بعد مولانا کی شفقت زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ پھر سنہ ۱۹۳۶ء میں مجھے علی گڑھ سے فراغت ہوئی۔ در چند روز کے بعد میں کنگ ایڈورڈ کالج، امراؤتی (برار) میں لیکچرر ہو گیا۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں مولانا کا انتقال ہوا۔ میں اس وقت حیدرآباد دکن گیا ہوا تھا۔ لوٹتے ان کے انتقال کی خبر سنی۔ بڑا قلق ہوا۔ لیکن پھر مسلسل تین راتوں تک مولانا کو خواب میں دیکھا تیسری رات خواب میں خیال آیا، کہ مولانا نے مجھے طالب علمی کے زمانے میں ڈانٹا تھا تو شاید اسی وجہ سے خواب میں تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے خواب میں ان سے عرض کیا کہ "آپ تو میرے پدر روحانی ہیں، آپ نے ڈانٹا تو کیا ہوا؟ وہ ڈانٹ تو میری اصلاح کے لئے تھی!" اس کے بعد مولانا پھر خواب میں تشریف نہیں لائے۔ کاش وہ مجھے اور بھی ڈانٹتے اور ہمیشہ خواب میں تشریف لایا کرتے!

مولانا سے تعارف کے واقعے میں ان کے جس گرامی منزلت دوست کا ذکر آیا ہے

وہ مولانا عبدالسلام صاحب جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جن کو حضرت مولانا احمد رضا

خاں صاحب علیہ الرحمہ نے ان کے نام کی مناسبت سے "عبدالسلام" کا خطاب دیا تھا

اور ان کے والد مولانا عبدالکریم صاحب کے انتقال پر عربی میں ایک قطعۂ تاریخ لکھا تھا۔ جو

ان کے مزار پر (جبل پور کی عیدگاہ میں) لگا ہوا ہے۔ تاریخ والا شعر مجھے اب بھی یاد ہے۔ وہ

اس طرح ہے :-

سر بدعت بریدہ بہر اللہ مات عبدالکریم فی شوقہ

۲ــــ ۱۹ ۱۳ ھ

= ۱۳۱۷ ھ

مولانا عبدالسلام صاحب کے صاحبزادے مولانا عبدالباقی برہان الحق صاحب

اب بھی جبل پور میں اپنے فیوض و برکات سے وہاں کے لئے رحمت بنے ہوئے ہیں۔ یہ بھی

حضرت مولانا احمد رضا صاحب علیہ الرحمہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اللہ پاک ان کو شاد و آباد

رکھے۔ آمین

ع خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

سیّد غلام نصیر الدین

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسل پاک سے تعلق رکھتے ہیں۔

موجودہ سجادہ نشین حضرت سیّد غلام معین الدین کے صاحبزادے ہیں۔ علوم پر

قدرت کے ساتھ ساتھ باطنی طور پر بھی ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ نعتیہ شاعری

بالخصوص فارسی کے صاحب طرز نعت گو شاعر ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت محتاج تعارف و تبصرہ نہیں

اور ان کی خدمات سب کے سامنے ہیں۔ مولانا مرحوم کو علمی و فنی اہمیت کے باوصف عشق رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصیت ان کے دور میں ملی وہ سب سے زیادہ اہم اور قابل ستائش ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا حق کہنا تو یقیناً ناممکن ہے۔ بہرحال دوسروں کی

نسبت امام نعت کہہ دینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ کیونکہ آج تک حضورؐ کی اُمت میں اتنے

اتنے بڑے لوگ گزرے ہیں کہ ان کے بعض بعض اشعار پر دواوین نعت نثار کر دینے کو جی

چاہتا ہے۔ اب کسی اُستاد کے اس شعر ہی کو دیکھ لیجئے ؎

کہنے کو نعت سیّد عالی وقار کی

منہ میں زبان چاہیئے پروردگار کی

حضور کے سب غلام مدح گو اور مدح خواں ہیں۔

ع ہر گدا را پرورش نازے دگر

نظیری مرحوم کے اس شعر نے تو حد کر دی۔ آپ بھی ملاحظہ کریں ؎

کنہ ذات تو بہ ادراک نشاید دانست

ویں سخن نیز بہ اندازۂ ادراک من است!

بہرحال آپ جو کام کر رہے ہیں وہ قابل تعریف ہے۔

سیّد فاروق القادری

خانقاہ شاہ آباد شریف

ایک کامیاب مترجم کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ "انفاس العارفین" اور "فتوح الغیب" کے ترجمے اس پر شاہد عادل ہیں۔

یوں تو فاضل بریلوی کی علمی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں کسی ایک مضمون میں بیان کرنا مشکل ہے، اور برصغیر کا مؤرخ ان کی علمی خدمات سے کبھی صرف نظر نہیں کر سکتا، مگر ہمارے نزدیک ان کا سب سے بڑا کارنامہ مایوس کن حالات میں نبی آخر الزمان علیہ التحیۃ والسلام کی ذات اقدس کے ساتھ عشق و محبت اور نسبتِ غلامی کی استواری کی دعوت ہے۔ آپ نے ایک نباضِ ملت کی حیثیت سے ملت کی جہالت، تنزلی اور پسماندگی کے اسباب کا جائزہ لے کر اسے اپنی حقیقی عظمت کی بازیافت کے لئے طریق کار اور لائحہ عمل دیا ہے۔ آپ کے نزدیک، گذشتہ ایک سو سال میں بعض وارثانِ منبر و محراب نے شعوری یا غیر شعوری طور پر برصغیر کے

مسلمانوں کو اس ذات گرامی سے روحانی طور پر بعید کرنے کی کوشش کی ہے، ادھر کرم کتابی مولویوں نے دین اسلام کی عظیم الشان عالمگیر دعوت کا بدعات و شرک کی مصنوعی دیواریں کھینچ کھینچ کر حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اس لئے فاضل بریلوی کا پیغام عشقِ رسول آپ کی دعوت، حبِ نبوی، آپ کی تحریک، سیرتِ طیبہ پر عمل، اور آپ کی سعی مسعود اس ذات قدسی صفات سے نسبت غلامی کی استواری ہے۔ میرے نزدیک برصغیر کے تمام مسلمان مفکرین نے ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کے اسباب اور اس کے

علاج میں سوچ و فکر کی ایک ہی راہ اختیار کی ہے، اور سب نے ایک ہی نتیجہ نکالا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی "فیوض الحرمین" "الدر الثمین" "اطیب النغم" "انفاس العارفین"، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "جذب القلوب" "مدارج النبوت" اور "مکتوبات"، شیخ میں فاضل بریلوی کی دعوت سے جدید کوئی چیز ہے حاشا وکلا ہرگز نہیں ہر دو جلیل القدر مشائخ کے بعد فاضل بریلوی اور ان کے بعد دورِ حاضر کے عظیم مفکر علامہ اقبال کا نعرہ

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

کیا ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں نہیں؟ ہاں چودہ سو سالہ تاریخی تجربے اور خود اعتمادی کی بنا پر فاضل بریلوی نے اس راہ کو قطعی اور آخری سمجھا ہے، اور اس میں پس و پیش اور اگر مگر کہنے کرنے والوں کو انہوں نے کسی صورت معاف نہیں کیا اور اس میں وہ یقیناً حق بجانب اور مخلص ہیں، اس راہ میں جس قدر مصائب و مشکلات کا سامنا کرکے فاضل بریلوی نے اپنا کام آگے بڑھایا ہے سو اس میں وہ منفرد ہیں، علمی خود اعتمادی صدری قوت اور مشن کی پاکیزگی و بلندی کی بنا پر انہوں نے اپنا موقف ڈنکے کی چوٹ بیان کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، کہ غیر مسلموں کی بجائے انہیں اپنوں کی زبان و قلم کا زیادہ نشانہ بننا پڑا ہے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ ان کی خوبی اُن کا عیب بنا دیا گیا ہے۔

بقول صائب ؎

بے گناہی کم گناہے نیست در دیوانِ عشق

تاہم انہیں اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔ اور آج برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ غلامی اور عشق و محبت کی نسبت کی دعوت کا امام فاضل بریلوی ہی کو سمجھتی ہے۔ فاضل بریلوی عظمت

رسالت کے سلسلے میں کسی رواداری کے قائل نہیں، اور یہ ایک واقعہ ہے، کہ اگر بقول ان کے تحذیر الناس یا تقویۃ الایمان ایسی کتابیں نہ لکھی جاتیں یا انہیں فوراً دبا یا رد کر دیا جاتا تو بعد میں منکرین ختم نبوت اور منکرین حدیث کو خود ہمارے گھر سے تائیدی مواد نہ ملتا اور نہ یہ لوگ یوں دیدہ دلیری سے ہمارے سروں پر سوار ہوتے۔ فاضل بریلوی نے بروقت شدومد سے ان کی تردید و تنقید کی، بعد میں جو حالات سامنے آئے اس سے ان کی فراست کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

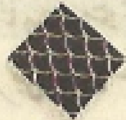


پروفیسر کرار حسین

وائس چانسلر بلوچستان یونیورسٹی

میں اس بات کا اہل نہیں ہوں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت کے متعلق کسی مفصل رائے کا اظہار کروں۔

میں ان کی شخصیت سے اس وجہ سے متاثر ہوں، کہ انہوں نے علم و عمل میں عشقِ رسول کو وہ مرکزی مقام دیا ہے، جس کے بغیر تمام دین ایک جسد بے روح ہے۔



مولانا محمد احمد مصباحی

حق اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڈھ (بھارت)

امام احمد رضا بریلوی سے متعلق تاثرات کے اظہار کا حکم اور مجبورے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی حقائق و معارف کے ایک بحر زخار و ناپیدا کنار، ناموس توحید و رسالت کی محافظت کی ایک منظم تحریک، اسلامی عقائد و نظریات کی اشاعت و ترویج کے ایک عظیم مرکز، اور عشق و محبت کے گلہائے رنگارنگ کے مرقع جمیل کا نام ہے۔

آپ کا مقام اسلامی اور علمی شخصیتوں میں انتہائی بلند اور منفرد ہے ۵۴ علوم و فنون پر مشتمل تقریباً تیرہ سو تصنیفات جس کی شاہد ہیں۔ متلاشیانِ علم و تحقیق کی یہ بد نصیبی ہے کہ بیشتر کتابیں اب تک تشنۂ طبع ہیں۔ پھر بھی موجودہ مطبوعہ کتابوں کے مطالعے سے بخوبی اندازہ لگ جاتا ہے کہ گذشتہ دس پانچ صدیوں میں آپ جیسی جامع، عظیم اور عبقری شخصیت عالم وجود میں نہیں آئی۔

امام رازی، امام غزالی، امام عسقلانی، امام سبکی، امام سیوطی، امام ابن عربی اور خیام دیگر ہم کی ذوات عالی تبار کی علمیت و لیاقت اور عبقریت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر

یہ حقیقت ہے کہ جملہ حضرات صرف چند فنون پر کامل قدرت اور اس کے مقام امامت پر فائز تھے۔ لیکن امام احمد رضا بریلوی کا تقابلی مطالعہ ہمیں یہ کہنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے کہ امام بریلوی موصوف بیسیوں فنون کے امام اور علوم قدیمہ و جدیدہ، محبت خدا، عشق رسول اور اسلامی اخلاق و اعمال کے انسائیکلو پیڈیا ہیں۔

تاریخ کی اس المناک حقیقت کو کیا کہا جائے کہ ایسی مقدس اور محترم شخصیت کو دشمنوں نے متعصبانہ روش انصاف پسندوں نے تغافل و تجاہل کی راہ اور عقید تمندوں نے تقریبی باب المناقب کی دھوپ چھاؤں اختیار کر کے پردۂ خفا میں رکھا۔ قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جو اس محسن اعظم کی تاریخ ساز شخصیت کو حقائق و معلومات کے اجالے میں لانے کی بھرپور جدوجہد کر رہے ہیں۔

الحاج محمدؐ ایوب (تمغۂ پاکستان)

ایک عظیم شاعر اور عاشقِ رسول کی حیثیت سے مشہور ہیں
"نوائے نَرد" آپ کی فارسی غزلوں کا مجموعہ ہے جس پر ایرانی دانشوروں
نے مقالات کی صورت میں آپ کی شاعری کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فضائل و شمائل کی جانب جب توجہ مبذول ہوتی ہے تو سرِفہرست ان کا جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ روحی وابی وامی) نظر آتا ہے۔ راقم کے نزدیک اعلیٰ حضرت کی گوناگوں خوبیاں، بلندیٔ مدارج و مراتب اور تیزیٔ فہم و فراست صرف اسی ایک جذبہ کے انعامات ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن اعلیٰ حضرت احباب و تلامذہ کے ساتھ، اپنے گھر کے باہر چبوترہ پر تشریف فرما تھے۔ محلہ میں سے سید گھرانے کا ایک بچہ، بازار کی جانب جاتے ہوئے چبوترہ کے سامنے سے گزرا، اعلیٰ حضرت بچے کو دیکھ کر تعظیماً دست بستہ کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد وہ بچہ کئی مرتبہ بازار کی طرف گیا اور واپس آیا، ہر مرتبہ، جب وہ چبوترہ کے سامنے سے گزرتا تو اعلیٰ حضرت بلا تکلف دست بستہ کھڑے ہوجاتے۔ یہ واقعہ بادی النظر میں ممکن ہے کہ غیر اہم بلکہ قابلِ استہزا سمجھا جائے لیکن اہلِ دل جانتے ہیں کہ یہ جذبۂ تعظیم، دراصل سرورِ کونین، سید الثقلین، صاحب قاب قوسین، محبوب رب المشرقین والمغربین، جدالحسن والحسین، وسیلتنا فی الدارین علیہ افضل

الصلوٰۃ والسلام کی بے پناہ محبت کا اظہارِ بے اختیار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس درجہ کی جنوں ساماں محبت، اللہ تبارک وتعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے

نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب محبتوں سے بالاتر محبت نہ ہوگی، ایمان کا دعویٰ باطل قرار پائے گا۔ گویا حضور سید المرسلین خاتم النبیین کے ساتھ انتہائی محبت ہی شرطِ ایمان اور عینِ اسلام ہے۔ اس شرط کو صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کما حقہٗ پورا کیا۔ ان قدسی صفات ہستیوں نے حضورِ انور کے بے پناہ عشق و محبت سے سرشار ہوکر جاں نثاری اور فداکاری کی وہ درخشاں اور قابلِ صد رشک مثالیں پیش کیں، جن سے تاریخِ انسانی کا دامن بالکل تہی تھا۔ اسی طغیانِ محبت نے مسلمانوں کو تھوڑے ہی عرصہ میں برگزیدۂ عالم و عالمیان بنا دیا۔ دراصل دنیاوی زندگی کی ساری نعمتیں اور حیاتِ اُخروی کی تمام سعادتیں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبت ہی کے ثمرات ہیں۔ مسلمانوں میں جب تک یہ رسمِ محبت پورے اخلاص کے ساتھ کارفرما رہی، اقوامِ عالم میں ان کا پایہ سب سے بلند رہا، لیکن جونہی اس محبت کے اندر بعض آمیزشوں نے راہ پائی، ملتِ اسلامیہ کو ہمہ جہت انحطاط نے آلیا۔ اعلیٰ حضرت کے جذبۂ عشقِ رسول کو جب ہم اپنی تاریخ کے آئینہ میں دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے دل میں عہدِ اولیں کی اُس پاکیزہ و مطہّر اور نفیس و جمیل رسمِ محبت کے احیاء کی تمنا صد ہا پیچ و تاب کے ساتھ انگڑائیاں لے رہی تھی۔

پروفیسر محمدؐ ایوب قادری

ممتاز اہلِ قلم، کتابوں کو ایڈٹ کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔
اردو کالج کراچی کے شعبہ اردو سے منسلک ہیں۔

مولانا احمد رضا خان ؒ ابن مولوی نقی علی خان، ساکن بریلی (روہیل کھنڈ) یوپی انڈیا نامور عالم، کثیر التصانیف مصنف، مقبول مترجم قرآن اور مشہور فقیہ تھے، وہ ایک ذی علم گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے جد امجد مولانا رضا علی خان بھی اپنے دور کے ممتاز عالم تھے، اور اپنے ہم عصر علماء میں معروف حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے دور کے ایک فاضل اشرف الحکماء مولانا حکیم علیم اللہ قادری ساکن قصبہ آنولہ ضلع بریلی اپنی ایک یادداشت میں لکھتے ہیں [1]

"فخر الاماثل، نجم الافاضل، عالم علوم عقلی و نقلی
واقف اسرار خفی و جلی مولانا مولوی رضا علی را در
مجلس عم کرم خود (مولانا حکیم نصر اللہ مرحوم) کہ چیزے
از دو علم طب اخذ کردہ بود دیدم، نیکے منکسر المزاج و حلیم
الطبع بود۔ بعد از [redacted] تحصیل کمالات بدرس و افادہ مشغول شد"

مولانا نقی علی خان بھی علمائے روہیل کھنڈ میں معروف تھے، مولانا عبد القادر بدایونی سے

---

[1] قلمی یادداشت (معروف بہ بیاض خلیلی) مملوکہ حافظ سراج احمد قادری ساکن قصبہ آنولہ ضلع بریلی

ان کے خاص تعلقات تھے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی ؒ کو نقہ میں خاص طور سے کمال حاصل تھا جس پر ان کے فتاوے دال ہیں۔ مولانا جس موضوع پر قلم اٹھاتے تھے، اس کو تشنہ نہیں چھوڑتے تھے، اس سے ان کے وسعتِ مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا توقیت، تکسیر اور ریاضی میں بھی مہارت کاملہ کے مالک تھے، ایک روایت کے مطابق تو ڈاکٹر سر ضیاء الدین بھی ان کی ریاضی کی قابلیت کے معترف تھے۔

مولانا نے اپنے افکار و خیالات کے نقش ایسے پائیدار چھوڑے ہیں کہ ان کی مناسبت سے "بریلوی" اور "بریلویت" کے الفاظ بطور اصطلاح استعمال ہونے لگے۔

مولانا بریلوی ؒ فکری اعتبار سے مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا محبوب علی دہلوی اور مولانا فضل رسول بدایونی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اوّل الذکر ہر دو حضرات تو خانوادہ ولی اللہی کے نامور ارکان ہیں، مولانا فضل رسول بدایونی نے علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) سے استفادہ و استفاضہ کیا ہے۔ مولانا بریلوی ؒ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ ان کی بعض نعتیں تو بڑی پیاری ہیں۔



ڈاکٹر محمد باقر

سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، انگریزی زبان
میں ... پر ایک اچھی کتاب کے مصنف ہیں اور چند سالوں
سے پنجابی ادبی اکیڈمی کے روح رواں ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے متعلق میری رائے کی کیا وقعت ہے وہ ایک عالم باعمل، نیک نہاد اور فیض رسا شخص تھے۔ میں نے ان کا لکھا ہوا قرآن مجید کا ترجمہ دیکھا ہے۔ یہ ایک بڑی شاندار کاوش ہے۔ اور اس کے متعلق دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ مجھے چونکہ ان کی خدمت میں نیاز حاصل نہیں ہوا اس لئے میں ان کی شخصیت کے متعلق کیا عرض کر سکتا ہوں۔ یہ کام تو وہی اشخاص سرانجام دے سکتے ہیں۔ جنہیں ان سے ذاتی طور پر فیضیاب ہونے کا موقع ملا ہے۔



علامہ محمد حسین عرشی امرتسری

ایڈیٹر ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی، تاریخ گوئی میں
مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

میں نے حضرت بریلوی سے متعلق چند برس ہوئے، "فیض الاسلام" میں ایک طویل سلسلہ مضامین کئی قسطوں میں لکھا تھا۔ وہاں پہنچ کر پرانی فائلیں نکلوا کر دیکھئے۔ سردست اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں، کہ مولانا احمد رضا خان مرحوم ان نوابغ روزگار میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ جن کے متعلق حکیم سنائی غزنوی کہہ گئے ہیں۔

قرن ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

ایسا جامع الصفات، جامع الکمالات اور جامع العلوم انسان۔ اللہ! اللہ!!

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا



حکیم محمد سعید دہلوی

مولانا احمد رضا خان بریلوی دینی علوم میں ایک جامع اور انفرادی حیثیت کے مالک تھے۔ وہ فقیہ بھی تھے، عالم بھی اور شاعر بھی۔ ان کی تصانیف کی تعداد ایک اندازے کے مطابق آٹھ سو کے لگ بھگ ہے۔ انہوں نے دین کے جس شعبے اور علم و فن کے جس گوشے پر قلم اٹھایا اس میں ان کی ایک انفرادی شان نمایاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ انہوں نے براہ راست سیاست میں حصہ نہیں لیا لیکن جہاں کہیں انہوں نے سیاسی تحریکات کو مذہب سے متصادم پایا وہاں اس کے خلاف بے باکانہ قلمی جہاد کیا۔

مولانا شریعت و طریقت دونوں کے رموز سے آگاہ تھے۔ اگر ایک طرف ان کے فتاوے نے عرب و عجم میں ان کی علمی و دینی بصیرت کی دھاک بٹھا دی تھی تو دوسری طرف عشق رسول نے ان کی نعتیہ شاعری کو فکر و فن کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ یہ مشہور و مقبول عام سلام

"مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"

مولانا ہی کے قلم کا شاہکار ہے۔ مولانا کے مسلک سے عدم اتفاق ممکن ہے لیکن ان کے تبحر سے انکار ممکن نہیں ہے۔ مولانا کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی خدمات کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

میاں محمد شفیع (م۔ش)

حکیم الامت علامہ اقبال کے فدائی اور دوست، تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، حضرت قائد اعظم اور اعلیٰ حضرت بریلوی سے گہری عقیدت رکھتے ہیں، نوائے وقت میں ایک عرصہ سے ان کی ڈائری چھپ رہی ہے۔ جو سیاسی مسائل پر شگفتہ انداز تبصروں کی وجہ سے بے حد مقبول ہے محمد شفیع کی بجائے م۔ش کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے کہنا ایسے ہے جیسے کوئی جلتی ہوئی ماچس کی تیلی سے کہے کہ سورج کی روشنی کے متعلق اظہار خیال کرے۔ اعلیٰ حضرت نے ہندوستان کی واحد قومیت اور ختم نبوت کے متعلق جو مسلک اس صدی کے چوتھے عشرے میں اختیار کیا۔ اسے تین چار عشروں کے وقفے سے مسلم لیگ نے اپنایا، اور مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن حاصل کیا اعلیٰ حضرت نے عشق رسول کی عوامی تحریک جاری فرما کر طول و عرض ہند میں جس طرح مسلمانوں کے سینے میں حُبِّ رسول کی جوت جگائی، اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو خراج تحسین پیش کرنے کا میرے خیال کے مطابق ایک ہی طریقہ ہے کہ مسلمانوں میں اخلاقِ محمدیہ (انک لعلیٰ خلق عظیم) کو فروغ دینے کے لئے دن رات کام کیا جائے۔ مسجدوں کے امام صاحبان اور سلسلہ چشتیہ اور قادریہ سے متعلقین کو اسلاف کے خلوص کے ساتھ اس جہاد کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہئے۔ اس کے بغیر اعلیٰ حضرت کا نام لینا ان کے قابل احترام نام کے استحصال کے مترادف ہے۔

پروفیسر محمّد طاھر فاروقی

سابق صدر شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی، اردو زبان کے عظیم محسن سیرت اقبال اور سیرت امیر ملت کے مصنف۔ آپ کا انتقال حال ہی میں پشاور میں ہوا ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی علمیت، ثقاہت اور بلند منصب سے کسی بھی موافق مخالف کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

اعلیٰ حضرتؒ عشقِ رسول میں ڈوبے ہوئے تھے، اور وہی جذبہ ان کی نعت گوئی کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ اسی لئے ان کے اشعار میں "از دل خیزد بر دل ریزد" کا صحیح عکس نظر آتا ہے۔ حُبِ رسول ہمارے ایمان کی بنیادی صفت ہے۔ حضرت مولانا جیسے جلیل القدر عالم اور کامل الاوصاف درویش اس نعمتِ سرمدی سے کیوں مستفید نہ ہوتے۔ ان کی نعت میں شاعرانہ صنعت گری کے ساتھ روحانی کیفیات اور معیشی تاثرات بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ ہر شعر ڈوب کے لکھا ہے اس لئے ان کے اشعار میں درد و اثر، کیف و جذب، سوز و ساز اور والہانہ شیفتگی زیادہ سے زیادہ ملتی ہے۔ حضرت مولانا بالیقین صفِ اول کے نعت گو شعرا میں شامل ہیں۔

پروفیسر سیّد محمّد عارف ایم اے بہاولپور

اعلیٰ حضرت بریلویؒ جیسی شخصیتیں چشمِ فلک کو کبھی کبھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ علم و عشق کا ایسا حسین امتزاج شاذ ہی کسی کی شخصیت میں دیکھنے میں آتا ہے۔ مولانا مرحوم کی شخصیت کا یہی وہ پہلو ہے جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ مختلف علوم و فنون پر ان کی کثیر تصانیف ان کی ہمہ گیر علمیت پر دلالت کرتی ہیں اور ان پر عشقِ مصطفوی کی گہری چھاپ بھی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ یہی وہ امتیازی وصف ہے جس کے سبب وہ اپنے ہمعصر علماء میں منفرد نظر آتے ہیں۔

شاعرِ مشرقؒ کے بقول علمِ محض سے انسان بندۂ تخمین و ظن تو بن جاتا ہے اسے یقین حاصل نہیں ہوتا یہ تو صرف عشق ہے جو سراپا یقین ہے اور یقین فتح یاب ہے۔ اس عشق کی بنیاد پر جو علم استوار ہوتا ہے اسی کے ذریعے وہ راز ہائے سربستہ واشگاف ہوتے ہیں جو علمِ محض رکھنے والوں سے پوشیدہ رہتے ہیں چنانچہ جب ایسا عالم ان عقدوں کو حل کر دیتا ہے جو اوروں کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں، تو بتکدۂ صفات میں غلغلۂ الامان بلند ہوتا ہے۔ ایسے عالم کو اپنی صفوں سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ اس پر جہالت کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس کے جذبۂ عشق کو تشدد کہا جاتا ہے۔ اسے شاعرِ محض کہا جاتا ہے۔ لیکن وقت بتاتا ہے کہ یہی نورِ باطن رکھنے والا عالم صحیح رہبری کر سکتا ہے اسی کا علم قابلِ یقین ہو سکتا ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگتا ہے۔ علماء مصلحتِ وقت کا ساتھ دیتے ہیں، لیکن یہی جو صاحبِ عشق بھی ہے وہی کہتا ہے سمجھتا ہے جسے حق! اور وقت ثابت کر دیتا ہے کہ جو بات سراپا

یقین " سے کہی . وہی حق تھی . اور اسی میں ملتِ اسلامیہ کا نفع تھا .

آج الحاد و بے دینی کا دور دورہ ہے اور لوگ مختلف " ازموں " کے سیلاب میں بہے چلے جا رہے ہیں دراصل محض علم کے سہارے ملت کو وہ جذبہ ارزانی نہیں کیا جا سکتا جس سے کفر و الحاد کے طوفانِ بلاخیز کا مقابلہ کیا جا سکے . جہاں علم اور عشق کے راستے الگ ہوئے وہیں اہلِ علم اپنی علمی تحقیق کی کشتیوں میں سوار ہو کر دور بہت دور نکل جاتے ہیں . یہ عشق ہی ہے جو علم کو مرکز سے وابستہ رکھتا ہے . آج کے دور میں ایسے علمائے حق کی سیرتیں مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہیں . جن کے ایک ہاتھ میں علم کی شمع روشن ہو اور دوسرے میں عشق کی ! . مولانا بریلوی کی سیرت میں یہ دونوں پہلو بڑی خوبصورتی سے رچے بسے ہوئے ہیں ان کی شخصیت کی نورانی کرنوں سے اس دور کی تاریکیوں کو دور کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے .

[redacted]

جناب خان محمد علی خان ہوتی

(وفاقی وزیر تعلیم)

یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ علمائے حقانی اور اولیائے ربانی نے ملتِ اسلامیہ کی ہر دور میں فکری و علمی راہنمائی فرمائی ہے . تاریخ اسلام نے اگرچہ بڑے بڑے باجبروت حاکم پیدا کئے ہیں مگر دلوں پر اقتدار کا پرچم صرف علمائے حقانی اور اولیائے ربانی کا لہراتا رہا ہے . اس کا اظہار ہماری آج کی اس روحانی محفل کے قائد مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی نے خود یوں فرمایا ہے ؎

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم

جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

حضرت فاضل بریلوی کی ولادت اس پُر آشوب دور میں ہوئی جب انگریز کا دیو استبداد مغلیہ اقتدار کے محلات کے کھنڈرات پر محو رقص تھا . یہ ۱۸۵۶ء تھا . آپ کی ولادت بہفتہ دہم شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء ہوئی . نمازِ ظہر کا وقت تھا . تاریخی نام المختار تجویز ہوا . دادا جان نے احمد رضا کا پیارا نام تجویز فرمایا . اور اسی نام کو بقائے دوام میسر آیا . آپ نے اپنے لیے عبد المصطفےٰ کا لقب خود منتخب کیا . اور آقا کی غلامی میں یوں مقبول ہوئے کہ غلامی و عبدیت کا سہرا تک عمر میں انہی کے سر سجا . زندگی کی ابھی تیرہ بہاریں دیکھی تھیں کہ علوم اسلامیہ متداولہ سے فارغ ہو کر مسندِ افتاء پر قدم رنجہ فرمایا . شیخ سید آلِ رسول کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت و اجازت بیعت ملی . سرعتِ قلمی کا یہ حال ہے کہ علوم ذہن میں حاضر رہتے ہیں . معانی و الفاظ دست بستہ غلاموں کی طرح کھڑے رہتے ہیں کہ آپ کی نگاہِ انتخاب کس پر پڑتی ہے . بلا کی ذہانت ہے اور انتہا کی ذکاوت قوتِ حافظہ کا یہ کمال ہے کہ رمضان شریف میں روزانہ ایک پارے کے حساب سے قرآنِ پاک یاد فرمایا . یہ علم و عمل کا نیرِ اعظم ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء دوپہر دو بجکر ۳۸ منٹ پر شفیق محبت کی گود میں ہمیشہ کے لئے یادِ محبوب کی معیت میں سو گیا اور اپنے وصال کی تاریخ کا قرآن کریم کی اس

مقدس آیت سے استخراج فرمایا "فَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَّأَكْوَابٍ" آپ کی ولادت کے اگلے سال یعنی ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف ملک گیر پہلی "تحریک آزادی" چلنے والی تھی۔ امام اہل سنت نے بچپن سے لیکر جوانی تک اپنے حساس دل سے وہ سب کچھ ملاحظہ فرمایا جو انگریز کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ انگریز کے زیر سایہ ہندو نے بھی مسلمان سے ماضی کا انتقام لینے کا پروگرام بنایا ہے۔ ہندو چاہتا ہے کہ انگریز جب بھی ہندوستان سے رخت سفر باندھے تو وہ اس کا جانشین بنے اور اپنی اکثریت کی بنا پر جمہوریت کی آڑ میں مسلم کشی کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر کر دے۔

بیدار حساس مسلمان اس صورتحال کا گہرا مطالعہ کر رہے تھے اور فاضل بریلوی، جنہوں نے مسلمانوں کی فکری آبیاری کے لئے ایک ہزار کے لگ بھگ کتب ہر موضوع پر تحریر فرمائی ہیں۔ مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ کفر کی سب قسموں سے انہیں الگ رہنا چاہیئے۔ اگر انگریز سے ترک موالات ضروری ہے تو ہندو سے بھی ترک موالات لازمی ہے۔ نہ ہندو مسلمان کا ساتھی بن سکتا ہے اور نہ ہی غم خوار۔

بڑے بڑے مسلم زعماء نے اعلیٰ حضرت کو اپنے راستے سے ہٹا کر مودّتِ ہنود کے خارزار میں لانا چاہا مگر ان کا جواب ایک ہی تھا کہ سب ایک ہی مزاج کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں کسی کفر سے رشتۂ مودّت قائم نہیں کر سکتا۔ یہی وہ زندہ حقیقت تھی جو آگے چل کر تحریک پاکستان کی شکل میں متشکل ہوئی اسی نظریہ کو اکبر اعظم کے دور میں پوری قوت سے امام مجدد الف ثانی نے موضوع سخن بنایا اور اسی نظریہ کو اعلیٰ حضرت بریلوی نے موضوع قلم قرار دیا۔ اعلیٰ حضرت کے بعد علامہ اقبال مرحوم نے اسی پیغام کی ترجمانی کی اور انہی افکار و نظریات کو بنیاد بنا کر حضرت قائد اعظم نے تعمیر پاکستان فرمائی۔ اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کے ملی تشخص کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ سودی کاروبار کسی بھی صورت میں جائز نہ قرار دیا جائے اور برصغیر کو دارالحرب قرار دیکر سود کی ضرورت قرار دے کر جائز نہ سمجھا جائے تاکہ ہندو ساہو کار غریب مسلمانوں کا خون چوسنے والی جونک نہ بن سکے۔ انھوں نے واضح فرمایا کہ مسلمان اپنا بنک قائم کریں تاکہ ان کا قومی تشخص بھی ابھرے اور وہ سرمایہ لگا کر اپنے غریب بھائیوں کے بھی کام آسکیں۔ انہوں نے اس بات پر بہت زور دیا کہ مسلمان صرف مسلمان سے لین دین

کرے تاکہ تجارت کے میدان میں وہ اپنا مقام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی مالی قوت میں بھی استحکام پیدا کر سکے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا تاکہ انگریز اور ہندو کے فکری تغلب سے بھی نجات مل سکے اور مذہب سے تعلق قائم ہو اور مستقبل کے قائد پیدا کئے جا سکیں۔

اندازہ فرمایئے کیا یہ نکات "دو قومی نظریہ" کی بنیادیں نہیں ہیں؟ کیا دو قومی نظریہ ہی تحریک پاکستان کی روح نہیں ہے کیا اسی دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہی یہ برصغیر تقسیم نہیں ہوا اور کیا اسی نظریہ کے ابطال کے لئے اندرا گاندھی نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے وقت بھرپور تقریر نہیں کی تھی تو اس نظریہ کے لئے علمائے حقانی میں سے اعلیٰ حضرت بریلوی نے سب سے زیادہ تحریری کام کیا ہے۔ انہوں نے اپنی فکر رسا سے سمجھ لیا تھا کہ انگریز کدھر جا رہا ہے اور ہندو کیا چاہتا ہے جن کی علمی و فکری کاوشوں کو دیکھ کر علامہ اقبال جیسے مفکر اسلام نے بجا طور پر ارشاد فرمایا تھا کہ "ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ وہ اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہیں۔"

اعلیٰ حضرت بریلوی نے دو قومی نظریہ کی علمی تشریح و تعبیر پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنا وسیع حلقۂ عقیدت پیدا کیا اور ان کے اس عظیم حلقۂ ارادت نے تحریک پاکستان کے دوران حضرت قائد اعظم کی بھرپور مدد کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کچھ علماء نام کے مسلمان تھے بظاہر مسلمان تھے لیکن انہوں نے ہندو کا ساتھ دیا اور ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ؎

کانگریسی مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے

گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

حضرت محدث کچھوچھوی، حضرت شیخ الاسلام سیالوی، حضرت خواجہ گولڑوی، حضرت محدث علی پوری اور علامہ بدایونی جیسے رہنمایانِ ملت اعلیٰ حضرت کی صدائے دلنواز کے مظہر اتم تھے۔ اعلیٰ حضرت کے ہم نواؤں نے ہندوؤں کے مشترک تیر تھو بنارس میں قیام پاکستان کے لئے عظیم کانفرنس منعقد کی تھی اور یہ دو قومی نظریہ کے مبلغ اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر مسلم لیگ قیام پاکستان کے مطالبے سے ہٹ بھی جائے تو ہم اس مطالبے سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ اعلیٰ حضرت

شمع اسلام میں محبت کا تیل ڈالنے میں ساری زندگی معروف رہے۔ عرب وعجم میں کئی تحریکیں اٹھیں جن کے فکری ڈانڈے کہیں دور اسلام سے جدا پگڈنڈیوں میں ملتے تھے مگر دل نواز و نظر فریب نعروں سے ان افکار کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔ حضرت بریلوی ایسی کسی تحریک سے متاثر نہیں ہوئے۔ انہوں نے مسلم کی توانائیاں ان افکار کے تار و پود بکھیرنے میں صرف کر دیں۔ اور حقیقی اسلام کے درخشاں چہرے سے سب غلط افکار کے پردے نوچ پھینکے۔ اسلام اسی آب و تاب سے سامنے آیا جس چمک دمک سے وہ دورِ نبوت، عہدِ خلافت اور مجتہدین سے ضیاپاشیاں کرتا آ رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو یہ یقین واثق تھا کہ اسلام امام الانبیاء محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نام ہے وہ سمجھتے تھے کہ محبت ہی غیر مشروط اطاعت و اتباع کو جنم دیتی ہے انہیں یقین تھا کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی کامیابیوں کا راز اسی نورِ محبت اور مشفق اتباع و اطاعت کا پرتو تھا لہذا انہوں نے قوم کو مقامِ مصطفےٰ کی عظمت کی طرف بلایا۔ بلالی روح پیدا کرنے کی تلقین فرمائی اجماعِ امت کے حسن کو عام کیا اور بتایا کہ بات وہی سچی ہے جو دورِ اول سے لیکر آج تک اولیائے سلف کرتے آئے ہیں۔

محبت اپنے کچھ تقاضے رکھتی ہے پھر جس سینے میں شاہِ ہر دوسرا کی محبت ہو وہ محبت کے تقاضوں کو کیسے پورا کرتا رہے گا اور محبت کی رعنائیوں کو کس طرح محسوس کرتا رہے گا۔ اس کا اندازہ بھی امام احمد رضا کی پاکیزہ زندگی سے کیا جا سکتا ہے۔ باعثِ تخلیقِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اعلیٰ حضرت آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت رکھتے تھے۔ سنتِ مصطفوی سے عشق تھا۔ زندگی کے ہر شعبے کو نورِ سنت سے منور رکھتے تھے۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام سے محبت تھی کیونکہ ان کی نسبت نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھی۔ اولیائے امت سے عموماً اور غوث الثقلین شاہِ بغداد سے خصوصاً والہانہ عشق تھا کیونکہ یہ لوگ قاسمانِ نورِ مصطفیٰ اور بلبلانِ گلشنِ مجتبیٰ تھے۔ اس محبت میں انہیں استغراقِ کلی حاصل تھا اور درِ مصطفےٰ علیہ السلام کو چھوڑ کر کسی دنیا والے کے دروازے پر کبھی انہوں نے نگاہِ غلط انداز نہیں ڈالی۔ انھیں بھروسہ تھا اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم گستریوں پر، انہیں اعتماد تھا تو اپنے ہادی و شاہد علیہ السلام کی بندہ پروریوں پر، ان کی نگاہیں

اٹھتی تھیں تو تجلیاتِ مصطفیٰ کی ضو ریزیوں کے سمیٹنے پر، ان کا دل دھڑکتا تھا تو صرف رحمۃ للعالمین کی رحمت نوازیوں پر، وہ علوم مصطفےٰ کے گلشن کے بلبل تھے لہذا انھیں ہر طرف علم مصطفےٰ کے جلوے نظر آتے تھے اور نورِ مصطفیٰ کی نور بیزیاں نظر آتی تھیں۔ عشقِ مصطفےٰ کا جو معیار وہ قائم فرما گئے وہ متاخرین کے لئے مینارِ نور ہے اور وہ سوز جو اپنے کلام میں بھر گئے خدا جانے کب تک دلوں کو گرماتا اور وجدان کو تڑپاتا رہے گا۔ ان کے دور کے شعراء مسلمان نوابوں کے قصائدِ مدحیہ لکھ کر جلبِ زر کر رہے تھے۔ نواب نان پارہ کا دربار، شعراء کو کشاں کشاں حصولِ زر کے لئے لا رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری کے لئے لوگوں نے اس دربار کا دروازہ کھولنا چاہا۔ بے چاروں کو پتہ نہیں تھا کہ عبدِ مصطفیٰ، عبدِ زر نہیں ہوا کرتے۔ اعلیٰ حضرت سے درخواست کی گئی کہ وہ بھی نواب نان پارہ کی شان میں قصیدہ رقم فرمائیں ذرا جواب ملاحظہ ہو زبانِ شعر میں اپنا عقیدہ بیان فرما دیا، اپنی زندگی کا خلاصہ بیان فرما دیا ہے۔ اپنے محبوب پاک کے مقابلے میں دنیا کے شاہوں کو لانا بھی ایمان کی توہین قرار دے دیا ہے۔ اور کیا لطافتِ طبعی ہے کہ نان پارہ کے لفظ کو ترکیبِ اضافی کی شکل دیکر ادبی وجدان رکھنے والوں کی دنیا میں وجد و مستی پیدا کر دی ارشاد ہوتا ہے۔

کروں مدح اہلِ دول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

ذرا "اس بلا میں میری بلا" کی بندش ملاحظہ ہو اور ذرا ملاحظہ فرمائیں اس والہانہ پن کو جو "میں گدا ہوں اپنے کریم کا" میں مضمر ہے کیا شان ہے اس گدا کی جو اپنے کریم کے بغیر کسی کو اپنا کریم نہیں مانتا، کیا شان ہے پھر اس رحیم و کریم آقا کی جو اپنے گدا کو پارۂ ناں کے لئے کسی نواب نان پارہ کے دروازے پر جانے نہیں دیتا۔ گدا ہے باوفا اور کریم ہے باحمیت و باسخا، سبحان اللہ کیا مقام نیازمندی ہے اور کیا مرتبہ بندہ پروری و کرم گستری ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دینی اور ملی خدمات کو دیکھ کر حرم پاک کے عظیم عالم سید خلیل مکی نے انھیں

چودھویں صدی ہجری کا مجدد کہا اور یہ نعرہ اہل سنت کا نعرہ بن گیا۔ لبنان کے شہرۂ آفاق مفکر علامہ یوسف نبہانی نے انھیں امام کبیر کے لقب سے نوازا۔ جن حضرات نے اعلیٰ حضرت کی گراں مایہ کتب کا مطالعہ کیا ہے اور ان کی وسیع المطالعہ شخصیت کو ملاحظہ کیا ہے اور ان کی وسعت علمی کے سمندر میں غوطہ زنی کی کوشش کی ہے وہ یقیناً علامہ مکی اور علامہ نبہانی کی آرا کی تائید کرتے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اربعہ عناصر سے مرکب ہیں مگر اعلیٰ حضرت کا خمیر تین عناصر سے اٹھا تھا اور وہ ہیں علم، عمل اور محبت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔

نوٹ:۔ جامع مسجد سبزی منڈی، راولپنڈی میں منعقدہ یوم رضا ۱۹۸۰ء میں پڑھا گیا۔

(ہفت روزہ افق کراچی، ۷ فروری ۱۹۸۰ء صفحہ ۲۸/۳۱)

پروفیسر مرزا محمد منوّر

خدا نے آپ پر بڑا کرم کیا کہ آپ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی حیات اور ان کے کمالات پر کام کر رہے ہیں۔ بزرگوں کے کارناموں کو یاد رکھنا خود اپنے آپ کو یہ درس دینے کے مترادف ہے کہ زندہ مسلمان کی طرح کیوں کر جیا جا سکتا ہے۔ ایسی تحریریں جو ہمارے اکابر ملت کے خلوص، کاوش، ایثار اور بے باک اعلائے کلمۃ الحق پر بھرپور روشنی ڈالیں، اُمت کی تازگیٔ روح کے لئے ضروری ہیں۔ یہ تحریریں ماضی سے ہمارا رشتہ استوار رکھتی ہیں۔

ہمارے اعاظم صوفیا سب کے سب اپنے دور کے چوٹی کے عالم تھے۔ ان میں سے ہر ایک فقیہ بھی تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہر وہ صوفی مرد درویش جس نے اولیاء کے تذکرے تحریر کئے۔ وہ بہت بڑا فقیہ گزرا ہے۔ یہ لوگ علوم ظاہری کے زیور سے پوری طرح مزین ہو کر علوم باطنی کی طرف خود بخود فطرتاً متوجہ ہو جاتے تھے۔ خالی علم تسلی نہیں دیتا اسے وجدان کا سہارا چاہئے۔ وجدان منزل یقین پر پہنچاتا ہے۔ اور یقین مجاہد اور شہید بناتا ہے۔ خالی علم جو سرمایۂ دماغ ہو نرا اصول عطا کرتا ہے۔ نرا عیار بیچارہ جرأت کردار کہاں سے لا کے دے؟ حق یہ ہے کہ حضرت احمد رضا خان بریلوی بھی صوفیا سلف کی طرح عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب وجدان بزرگ تھے۔ لہٰذا بے خوفی سے اعلائے کلمۃ الحق کرتے رہے۔ اس راہ میں نثر کو بھی ہتھیار بنایا اور نظم کو بھی۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیوانہ وار محبت کے بغیر ہمارا دین سفینۂ بے لنگر ہو کر رہ جاتا ہے اور یہ نعمت عشق رسول حضرت بریلوی کو میسر تھی۔

جناب محشر رسول نگری

آپ کی تصنیف "فخرِ کونین" شہرۂ حصص نعتیہ ادب میں ایک اہم مقام کی حامل ہے۔ اصل میں رسول نگر ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے ہیں اور آجکل کوئٹہ میں قیام پذیر ہیں۔ روحانیات سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور سکھر کے مشہور صاحبِ طریقت بزرگ قاضی عبدالخالق صاحب مدظلہٗ سے بیعت ہیں۔

میری کم علمی سمجھئے یا کوتہ چشمی کہ مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ کے متعلق میرا مطالعہ محدود بلکہ بہت ہی محدود ہے، جن دنوں مسدس "فخرِ کونین" لکھ رہا تھا، مولانا مرحوم کی ایک نعت ریڈیو پر سُن کر بے تاب ہوا اور ایک دوست کی معرفت ان کی نعتوں کا مجموعہ حاصل کیا۔ جس کے مطالعے سے میں نے یہ تاثر لیا کہ آپ مجددانہ حیثیت کے عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ سچے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تھے۔ بلکہ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آپ عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں فنائیتِ تامہ کا مقامِ رفیع حاصل کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتوں سے دل میں محبتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احساسات بیدار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بعض نعتیں تو اس قدر وجد آفریں ہیں کہ قلب و روح کو ذوقِ حضوری سے سرشار کر دیتی ہیں۔ مجھے ان کے علمی اختلافات سے جو ان کو بعض علماء سے اور بعض کو

آپ سے رہے، سروکار نہیں ہے کیونکہ میں توان کو محبوب رب العٰلمین کے عاشق صادق کی حیثیت سے جانتا اور پیار کرتا ہوں۔ ؎

مذہبِ عشق از ہمہ دیں ہا جداست عاشقاں را مذہب و ملّت خُداست

بے شک علمائے حق وارثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ لیکن یہ وراثت صرف علمی نہیں ہے، بلکہ عملی اور اخلاقی بھی ہے۔ اگر کوئی صاحب علم کا پہاڑ سر پہ رکھے ہوئے ہوں، لیکن اخلاقِ محمدی کی کوئی جھلک ان میں نہ پائی جائے تو میرے نزدیک وہ وارثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہلانے جانے کے مستحق نہیں۔ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب مرحوم و مغفور کے شائع شدہ سوانح حیات سے یہی معلوم ہوا ہے کہ آپ کی عملی زندگی اخلاق محمدی کا آئینہ تھی۔ اور اس میں آنحضرت کے خُلقِ عظیم کی تابناک اور حسین جھلکیاں نظر آتی تھیں اسی سے آپ کی محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی محبت محبوب کی اتباع کو مستلزم ہے۔ علم صحیح کے علاوہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ حسنہ کی آئینہ داری بھی ہونی چاہئے، ورنہ ادعائے وراثت ناقابلِ قبول ہوگا۔

سیّد مسعود حسن شہاب دہلوی

مدیر ہفت روزہ "الہام" بہاول پور

"اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرّہٗ علم و فضل اور فنون و کمالات کا ایک ایسا دریائے بے پایاں تھے، جس کی گیرائی و گہرائی کا اندازہ کوئی زبردست ماہر غواصِ بحر علوم ہی کر سکتا ہے۔

انہوں نے عقائد اہلِ سنّت اور مسلک احناف کو برصغیر کے مسلمانوں میں راسخ و مستحکم کرنے کے لئے جو خدماتِ جلیلہ انجام دی ہیں، وہ دینی تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جس کی تابانیوں کو کوئی سخت سے سخت بادِ مخالف بھی ماند نہیں کر سکتی۔

انہوں نے اپنے پُر سوز و پر کیف و دل گداز و وجد آفریں نعتیہ کلام سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو جوت جگائی ہے اسے سرد مہری کی کوئی یخ بستہ لہر سرد نہیں کر سکتی۔

علماء میں ان کا مرتبہ ایسا ہے جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں ماہ کامل، اہلِ فضل و کمال میں ان کی حیثیت ایسی ہے، جیسے پٹ بیجنوں کی انجمن میں خورشید درخشاں،

نعت گو شعراء میں ان کا مقام ایسا ہے جیسے گلہائے چمن میں گلاب خوش رنگ۔

ان کا مثیل و مد مقابل نہ ان کے عہد میں تھا اور نہ آج تک پیدا ہو سکا ہے۔ وہ اپنی ہر حیثیت میں منفرد تھے، اور ان کی یہ انفرادیت اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ آج بھی قائم ہے۔

نواب مشتاق احمد خان

سابق ریجنٹ جنرل ریاست حیدرآباد دکن۔ جالندھر کے لودھی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خاندان دنیاوی وجاہت کے ساتھ ساتھ دینی شعار کا بھی سختی سے پابند ہے۔ اور حضرت قاضی سلطان محمود صاحب اعوان شریف والوں سے عقیدت رکھتا ہے۔ ان کے والد نواب فخر یار جنگ سابق وزیر خزانہ ریاست حیدرآباد دکن گجرات سے اعوان شریف کا فاصلہ ۲۲ میل احضرت قاضی صاحب کے پیشِ نظر پیدل طے کرتے تھے آپ صاحب قلم اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

میں نے شاید اس سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مجھے حضرت بریلوی کے بارہ میں ذاتی معلومات نہیں ہیں۔ وہی معلوم ہے جو پڑھا ہے۔ باقی مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری اور مولانا ضیاء الدین صاحب کے بارہ میں جو کچھ معلوم ہے۔ وہ پیش خدمت ہے۔

تعلیم کے لئے جب میں علی گڑھ گیا، تو مولانا سلیمان اشرف صاحب بہاری وہاں دینیات کے شعبہ کے صدر تھے، پکی بارک میں ممتاز ہوسٹل والے گیٹ ملحقہ عمارت میں رہتے تھے۔ بڑے جیّد عالم تھے اور ان کے علم و فضل کی وجہ سے طلباء اور اساتذہ سب ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ شخصیت بھی بڑی بارعب تھی کسی سے دبنا جانتے ہی نہیں تھے

عدم تعاون کی تحریک میں جب مولانا محمد علی جوہر اور شوکت علی علی گڑھ کی درسگاہ کو جامعہ ملیہ میں ضم کرنا چاہتے تھے، تو مغرب کی نماز کے بعد ان سے مولانا سلیمان اشرف کی بڑی بحثیں ہوتی تھیں، اس زمانہ میں مولانا محمد علی کا ایسا رعب تھا، کہ بہت کم لوگوں کو ان کے سامنے بات کرنے کی جرأت ہوتی تھی، مولانا سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ میں واحد شخص تھے جو ترکی بہ ترکی جواب دیتے تھے، میں نے ان سے دینیات پڑھی ہے، اور ان کے تفسیر قرآن کے درس میں بھی شریک ہوا ہوں، اس سے زیادہ مولانا کے متعلق میرے ذاتی معلومات نہیں ہیں،

"العلم" کے شمارہ (اپریل تا ستمبر ۱۹۶۲ء) میں ان سے ایک واقعہ منسوب کیا گیا ہے، وہ آپ کی اطلاع کے لئے نقل کرتا ہوں، اس میں حضرت مولانا احمد رضا خان کے علمی تبحر اور دینی بصیرت کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

"جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے ریاضی کا ایک مسئلہ کا حل نہ ہو سکا اور ڈاکٹر صاحب موصوف نے جرمنی کے سفر کا قصد کیا، کہ وہاں جاکر اس مسئلہ کا حل تلاش کریں جب مولانا سلیمان اشرف صاحب کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا کہ بجائے جرمنی کے بریلی کا سفر اختیار کریں اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم و مغفور سے اس مسئلہ کا حل دریافت کریں اس پر ڈاکٹر صاحب، کو بہت حیرت ہوئی لیکن سید سلیمان اشرف صاحب نے ان کو بہت مجبور کیا اور اپنے ساتھ بریلی لے گئے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کا تعارف مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کرایا، ڈاکٹر صاحب نے اپنا غیر حل شدہ مسئلہ ریاضی بیان کیا۔ اور اسی وقت پہلی ملاقات میں وہ مسئلہ حل ہو گیا، اب تو ڈاکٹر صاحب کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں تھی، اس وقت تک مغربی تعلیم کا اثر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب پر بہت زیادہ تھا، اور وہ سمجھتے تھے، کہ مولوی صاحبان کو تو محض عربی کی لیاقت ہوتی ہے، اور دیگر مضامین کے بارے میں ان کی معلومات

بہت گھٹیا قسم کی ہوتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے ڈاکٹر صاحب نے داڑھی رکھ لی اور پابندی سے نماز پڑھنے لگے۔ ڈاکٹر صاحب نے ریاضی میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے مگر ہمارے مولانا احمد رضا خاں صاحب علم ریاضی میں ڈاکٹر ضیاء الدین سے بھی بازی لے گئے۔ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ان کی قوت ایمانیہ نے ان کا ساتھ دیا؛

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد صاحب کوئی ساٹھ ستر برس سے سیالکوٹ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں، مولانا محترم کی شخصیت پاکستان اور بھارت کے جاننے والوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، اور وہ ان سے فیض حاصل کرتے ہیں، میرے والد محترم کے ان سے خصوصی مراسم تھے، مولانا جب سے مدینہ منورہ گئے ہیں، وہاں سے بجز خاص عذرات کے نہیں جاتے، حتیٰ کہ حج کے ایام سے فارغ ہو کر فوراً مدینہ منورہ واپس آجاتے ہیں لیکن میرے والد محترم کی درخواست پر وہ حیدرآباد تشریف لے گئے، اور وہاں چار ماہ قیام کیا میں نے ان کی خدمت میں تین دفعہ حاضری دی، اور انہوں نے ہمیشہ بڑی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا۔ گذشتہ سال جب میری حاضری ہوئی تو انہیں بہت ضعیف اور مضمحل پایا، لیکن اپنے معمولات بدستور پورے کرتے ہیں، ہفتہ میں ایک بار ان کے ہاں میلاد شریف کی تقریب منائی جاتی ہے جس میں پاکستان کے اکثر حاجی شریک ہوتے ہیں، مولانا کے بڑے صاحبزادہ فضل الرحمٰن کی صاحبزادی کی شادی مولانا شاہ احمد نورانی صاحب سے ہوئی ہے،

ڈاکٹر خواجہ معین الدّین جمیلؔ

ایم اے (لندن)۔ ڈی لٹ (پیرس)

استاد علوم عمران

پیپلز اوپن یونیورسٹی ۔ اسلام آباد

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی عظیم شخصیت سے بھلا کون واقف نہیں۔ انہوں نے اپنے دور میں اپنے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ ہماری ملی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ انگریزی راج میں مسلمانوں کے دینی رہنما وہی کچھ کرسکتے تھے جو انہوں نے کیا۔ اب ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں باشندوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے ان حالات میں ان کے نام لیواؤں کا فرض ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور زمانہ حال کے اقتضاء کو پیش نظر رکھ کر ایک ایسا لائحہ عمل تیار کریں۔ کہ اس پر چل کر دو جہاں میں ہماری سرخ روئی ہو۔ صرف اسی طرح ان بزرگوں کی روح ہم سے خوش ہو سکتی ہے۔



جناب منوّر بدایونی

حال پاک، بدایوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے کلام میں عشقِ رسول کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ "منور نقیبین"، اور "منور نغمات" ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

مولاناؒ کے بارے میں اتنا عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ میری والدہ محترمہ مرحومہ جب رات کو مجھے سلایا کرتی تھیں۔ تو اسی گھر کے ایک محترم بزرگ مولانا کے حقیقی بھائی عالی مقام جناب حسن رضا خان مرحوم و مغفور کے کچھ اشعار جو کہ ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ہیں۔ اپنی مخصوص آواز میں جو آج تک میرے سینے میں محفوظ ہے پڑھا کرتی تھیں بس

"وہ اٹھی دیکھو وہ گرد سواری   عیاں ہونے لگے انوار باری"

اس کے علاوہ میرے ایک حقیقی تایا حضرت شاہ طفیل احمد متولی خاں صاحب مرحوم مرحوم کی ایک نعت

"واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحیٰ تیرا" بڑی مخصوص مترنم آواز میں پڑھا کرتے تھے۔ اور وہ آواز اب بھی میرے سینے میں محفوظ ہے۔ بس انہیں دو چیزوں نے مجھے "نعت پاک" کا شاعر بنا دیا ہے اور اس کی بدولت ایسے ایسے عجیب و غریب حالات سے میں روزانہ دوچار ہو رہا ہوں کہ کسی سے کہوں تو کوئی یقین کر ہی نہیں سکتا۔

اب آخر میں آپ چند شعر ملاحظہ فرمائیں اور یہ یقین کر لیں کہ یہ شاعری میں نہیں کرتا کوئی دوسرا ہوتا ہے۔ میں اب اپنی ضعیفی کی وجہ سے ٹی وی یا ریڈیو پر نہیں جاتا۔ کبھی کبھی کسی دوسرے کی آواز میں کلام آتا ہے۔ ایک خاتون پڑھتی ہیں۔

میرے داور! میرے کبریا کروں کیا بیں حمد تیری رقم
تیری منزلوں میں یہ فاصلے میرے راستوں میں یہ پیچ و خم
تو رحیم ہے تو کریم ہے میری لغزشوں پہ نظر نہ کر:
تیری خو عطا میری خو خطا نہ وہ تجھ میں کم نہ یہ مجھ میں کم

یہ نعت ناصر جہاں ریڈیو کے ایک مرحوم گلوکار کی آواز میں اکثر آتی ہے۔

نہ کہیں سے دور ہیں منزلیں نہ کوئی قریب کی بات ہے
جسے چاہیں اس کو نواز دیں یہ در حبیب کی بات ہے
جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

نعت محبوب داور سند ہو گئی — مغفرت میاں مری مستند ہو گئی
مجھ سا عاصی بھی آغوشِ رحمت میں ہے — یہ بھی بندہ نوازی کی حد ہو گئی
عمر بھر میں نے دنیا میں نعتیں لکھیں — میری بخشش یہیں مستند ہو گئی
عرش تک تو خیالوں نے بھی راہیں — ختم آگے تخیل کی حد ہو گئی

مجھے نہیں یاد کہ اتنا طویل خط میں نے کبھی کسی کو لکھا ہو مگر آپ کے خطوط سے متاثر ہو کر اپنی کچھ معذوریوں کا اظہار کر رہا ہوں۔ میری دعا ہے کہ اللہ کریم آپ کی تحقیقی خدمات کا آپ کو اجر مزید دے گا۔ آمین۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ یہ بہت بڑی علمی و ادبی خدمت ہے۔ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کی شخصیت عظیم اور ان کا علمی مرتبہ بہت بلند ہے۔ وہ بلاشبہ عبقری (GENIUS) تھے۔ میں اتنی دور بیٹھ کر آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ سوائے اس کے کہ دعا کروں کہ

اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ

جناب نعیم صدّیقی

آپ کے دیرینہ مطالبے اور آپ کے جذبۂ عمیق کے سبب جی تو یہی چاہتا ہے کہ کچھ تفصیلی بات کہی جائے۔ مگر مشکل یہ کہ مولانا بریلوی کا نعتیہ مجموعہ یا اُس کے متفرق اجزا میرے پاس نہیں ہیں۔ یوں بھی فی الحال میرے گرد مصروفیات کا محاصرہ بڑا سخت ہے۔ مختصر یہ کہ۔

مولانا کی جو نعتیں پڑھنے یا سننے میں آئیں، ان میں خصوصی طور پر والہیت کی روح کارفرما ہے۔ زبان پر قدرت ہے، ان کا تخیل نئی نئی کونپلیں نکالتا ہے، اور تشبیہات و تلمیحات سے وہ خوب کام لیتے ہیں۔ ان کی بہت سی نعتوں کی ایک خصوصیت ان کا عوامی انداز ہے۔ وہ ایسی لسانی اور فنی باریکیوں کی طرف نہیں جاتے جو ہمارے ہاں کے عام مسلمان کی ذہنی سطح سے بلند ہوں۔

ڈاکٹر وحید قریشی

ممتاز اہل قلم۔ یونیورسٹی اورینٹل کالج کے پرنسپل ہیں۔ اقبالیات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی برصغیر پاک و ہند کی دینی تحریک میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعے علماء دین کی ایک پوری جماعت کو متاثر کیا ہے۔ ان کی تحریریں اس لحاظ سے بھی قابل قدر ہیں۔ کہ ان میں ایک خاص طرح کی ادبی شان پائی جاتی ہے۔ نثر نگار کے علاوہ وہ شاعر بھی تھے اور اردو کی نعتیہ روایت میں ان کا کلام خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔

جناب وقار انبالوی

مشہور صحافی ہیں اور آج کل ادارہ "نوائے وقت"
سے وابستہ ہیں۔ ان کے منظوم قطعات قارئین میں
بہت مقبول ہیں۔ تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لے چکے ہیں۔

جناب احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ سے کون واقف نہیں حضرت مولانا احمد رضا بریلوی عشق رسول مقبولؐ کی وجہ سے اس درجے پر ہیں کہ ہماری حقیر کوششیں ان کے مرتبہ میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتیں اور وہ ہماری تعریف سے بے نیاز ہیں۔ ان کا نام اور کام ہمیشہ زندہ رہنے والی چیز ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

سید الطاف علی بریلوی کی نظر میں

(سید نور محمد قادری سے ایک ملاقات)

شروع اپریل [illegible] میں میں اپنے خالہ زاد بھائی سید محمد حنیف اور مکرم دوست پروفیسر محمد طاہر فاروقی صاحب کو ملنے پشاور گیا۔ تو معلوم ہوا کہ "العلم" کے ایڈیٹر سید الطاف علی بریلوی صاحب اور الحاج مولوی ریاض الدین صاحب کراچی سے اپنے دوست مولوی شاہ عالم خان صاحب کی برسی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ اور ان کے پاس ۶ ، طارق روڈ صدر پشاور میں مقیم ہیں۔ چنانچہ میں محترم قبلہ پروفیسر محمد طاہر فاروقی صاحب کی معیت میں سید صاحب کو ملنے کے لئے ۱۰ اپریل [illegible] کی صبح کو ۶ ، طارق روڈ پر حاضر ہوا حسن اتفاق سے سید صاحب اور ان کے دوست الحاج ریاض الدین صاحب موجود تھے۔

فاروقی صاحب نے سید صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ دونوں حضرات بڑی خندہ پیشانی اور خلوص سے ملے۔ اور چائے سے تواضع کی۔ چائے کے بعد مختلف علمی، ادبی اور دینی موضوعات پر گفتگو چھڑ گئی۔ اور یہ دلچسپ اور شگفتہ مجلس کئی گھنٹوں تک قائم رہی۔ دوران گفتگو میں نے سید صاحب سے عرض کیا۔ کہ ایک تو آپ اعلیٰ حضرتؒ کے شہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور دوسرے آپ کے خاندان کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب سے عقیدت بھی رہی ہے آپ براہ کرم اُن کے بارے میں چند ایسی باتوں پر روشنی ڈالیں جن سے لوگ عام طور پر ناواقف ہیں۔

چنانچہ سید صاحب نے میری درخواست کو شرف پذیرائی بخشا اور ان سے اعلیٰ حضرتؒ کے بارے میں جو نئی باتیں معلوم ہوئیں درج ذیل ہیں۔

۱ــــ سید صاحب اعلیٰ حضرتؒ کے معتمد اور خلیفہ مولانا سید ایوب علی رضویؒ کے حقیقی بھانجے ہیں۔

۲ــــ سید صاحب اعلیٰ حضرتؒ کے جنازے میں شامل تھے۔ اور اُس وقت ان کی عمر ۱/۱۲ سال تھی۔

۳ــــ اعلیٰ حضرتؒ کو انگریز سے اس قدر نفرت تھی کہ انہوں نے تمام عمر لفافے پر ڈاک کا ٹکٹ الٹا لگایا۔ یعنی تاج والا حصہ نیچے کی طرف رکھا۔

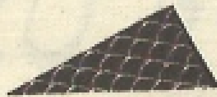
۴ــــ جب بدایونی حضرات نے اعلیٰ حضرتؒ پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تو اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا۔ کہ میں انگریز کی عدالت میں نہیں جاؤں گا۔ عدالت سے وارنٹ بھی جاری ہوئے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ محلہ سوداگران بریلی شریف کی تمام گلیاں اور بازار اعلیٰ حضرت کے معتقدین سے پٹ گئے۔ تو ہندوستان کے کونے کونے سے آئے ہوئے لوگوں نے میونسپل ہائی سکول کے وسیع احاطہ میں بستر جما دیئے اور کہا کہ ہماری لاشوں سے گزر کر ہی گورنمنٹ اعلیٰ حضرت تک پہنچ سکتی ہے۔ آخر ایک صاحب (حشمت اللہ ایڈووکیٹ) نے جو سر سید کے ساتھیوں میں سے تھے، کوشش کر کے فریقین میں صلح کروا دی۔ صلح نامہ عدالت میں داخل کر دیا گیا۔

۵ــــ سید صاحب نے مزید فرمایا کہ ایک دفعہ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس جبل پور میں ہونا قرار پایا تو ہمارے جبل پور پہنچنے پر چند مفسدہ پرداز لوگوں نے زبردست مخالفت کی چنانچہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مولانا عبدالسلام جبل پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اعلیٰ حضرتؒ کے معتمد خاص اور خدمت گار سید ایوب علی رضویؒ کا بھانجا ہوں۔ ہم یہاں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس کرنے آئے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ روڑے اٹکا رہے ہیں۔ مولانا نے ہماری بڑی خاطر مدارات کی اور اپنے آدمی ہمارے ساتھ کر دیئے جس کی وجہ سے کانفرنس کا جلسہ ہو سکا۔

۶ــــ سید صاحب نے کہا کہ جب "تحریک عدم تعاون" کے زمانے میں "دو قومی نظریہ" کے بارے میں بریلی شریف میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان اشرفؒ کے درمیان

مباحثہ ہوا تو سامعین میں مَیں بھی شامل تھا۔ ابوالکلام آزاد کی مدد مولانا سعید احمد دہلوی اور سید سلیمان اشرفؒ کی مدد مولانا حامد رضا خانؒ اور مولانا امجد علیؒ کر رہے تھے۔

۷ــــ سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب جو اگرچہ عقیدۃً دیوبندی ہیں لیکن صاحب ذوق اور معلومات کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ اُردُو زبان میں قرآن پاک کا سب سے بہتر ترجمہ مولانا احمد رضا خانؒ کا ہے۔ جو لفظ انہوں نے ایک جگہ رکھ دیا ہے اس سے بہتر لفظ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔



حیاتِ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

از

پروفیسر معراج الدّین قریشی

ولادت فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بریلی شریف (یو-پی) میں تولد ہوئے آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ (م ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) اور جد امجد مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمہ (م ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء) بلند پایہ عالم اور صاحب راز بزرگ تھے۔

حضرت فاضل بریلوی نسبتاً پٹھان، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری تھے آپ کا نام آپ کے جد امجد نے احمد رضا تجویز فرمایا بعد میں خود فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اس میں "عبد المصطفیٰ" کا اضافہ فرمایا، جیسا کہ آپ کے نعتیہ دیوان اور فتاویٰ سے ظاہر ہے۔

تعلیم جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت فاضل بریلوی کے والد ماجد بہت بڑے عالم اور بلند پایہ فقیہ تھے آپ نے مندرجہ ذیل علوم اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کئے۔

(۱) علم قرآن (۲) علم حدیث (۳) اصول حدیث (۴) فقہ (جملہ مذاہب) (۵) اصول فقہ (۶) جدل (۷) تفسیر (۸) عقائد (۹) کلام (۱۰) نحو (۱۱) صرف (۱۲) معانی (۱۳) بیان (۱۴) بدیع (۱۵) منطق (۱۶) مناظرہ (۱۷) فلسفہ (۱۸) تکسیر (۱۹) ہیأۃ (۲۰) حساب (۲۱) ہندسہ۔

سند حدیث تین واسطوں سے حاصل کی جن میں مندرجہ ذیل دو واسطے قابل ذکر ہیں۔

(۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فاضل بریلوی نے مندرجہ ذیل علوم بھی حاصل کئے :۔

(۲۲) قرأة (۲۳) تجوید (۲۴) تصوف (۲۵) سلوک (۲۶) اخلاق (۲۷) اسماء الرجال (۲۸) سیر (۲۹) تاریخ (۳۰) نعت (۳۱) ادب مندرجہ بالا علوم و فنون والد ماجد کے علاوہ جن اساتذۂ کرام سے حاصل کئے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں :۔

(۱) شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء)

(۲) شیخ احمد بن زین دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء)

(۳) شیخ عبدالرحمان مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء)

(۴) شیخ حسین بن صالح رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء)

(۵) شاہ ابوالحسین النوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء)

مندرجہ بالا ۳۱ علوم و فنون کے علاوہ حضرت فاضل بریلوی مندرجہ ذیل علوم و فنون میں بھی کافی دسترس رکھتے تھے، آپ نے ان علوم کو مرتبۂ کمال تک پہنچایا اور ہر ایک میں نئی راہیں تلاشں کیں :۔

(۳۲) ارثماطیقی (۳۳) جبر و مقابلہ (۳۴) حساب سینی (۳۵) لوگارثمات (۳۶) توقیت (۳۷) مناظر و مرایا (۳۸) اکر (۳۹) زیجات (۴۰) مثلث کروی (۴۱) مثلث مسطح (۴۲) ہیأۃ جدیدہ (۴۳) مربعات (۴۴) جفر (۴۵) زائرچہ (۴۶) علم الفرائض (۴۷) عروض و قوافی (۴۸) نجوم (۴۹) اوفاق (۵۰) فن تاریخ (۵۱) اعداد (۵۲) نظم و نثر فارسی (۵۳) نظم و نثر ہندی (۵۴) خط نسخ (۵۵) نستعلیق۔

بیعت وارشاد

حضرت فاضل بریلوی سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ آل رسول (المتوفی ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء) سے بیعت تھے اور حضرت ممدوح ہی نے آپ کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا تھا اس کے علاوہ شیخ حسین بن صالح نے صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے مرحمت فرمائی تھی۔

علمی خدمات

حضرت فاضل بریلوی کو خداوند قدوس نے وہ صلاحیتیں مرحمت فرمائیں اور ان مقرب بندوں میں شامل کیا تھا جن پر اس کا انعام خاص ہوتا ہے۔ رب العزت نے آپ کو علمی دماغ اور زبردست حافظہ دیا تھا، چنانچہ ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء میں علوم درسیہ سے فارغ ہوگئے۔ فارغ التحصیل ہوتے ہی والد محترم مولانا نقی علی خاں نے افتاء کی ذمہ داریاں آپ کے سپرد کردیں اور آپ نے اس چھوٹی سی عمر میں فتوٰی نویسی کا آغاز کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۳ اور ۱۴ سال کے درمیان تھی۔

حضرت فاضل بریلوی نے تمام زندگی فتوٰی نویسی فرمائی اور تصانیف کا سلسلہ جاری رکھا آپ کی علمی تخلیقات میں فتاوٰی رضویہ اور کنزالایمان (ترجمہ اردو قرآن کریم) نہایت ہی ممتاز ہیں اس پر آپ کے خلیفہ اور جلیل القدر عالم مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے حواشی نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ معاصرین علماء پر تفوق و برتری کے لیے صرف انہیں دو کا پیش کرنا کافی ہوگا، نعتیہ شاعری میں آپ کا دیوان حدائق بخشش سب نعتیہ دیوانوں پر بھاری ہے۔ ویسے تو آپ نے پچاس سے زیادہ موضوعات پر ایک ہزار سے زائد رسائل اور کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے بہت کم منظر عام پر آسکیں۔ آپ کے قلمی کتابوں کا نادر ذخیرہ ہندوستان میں موجود ہے، مطبوعہ تصانیف میں بعض رسائل اور کتابیں نہایت اہتمام سے لاہور، ساہیوال، کراچی اور سہارنپور وغیرہ سے شائع ہوئیں۔ ضرورت ہے کہ قلمی ذخیرہ کو منظر عام پر لایا جائے۔

سیاسی خدمات

حضرت مولانا احمد رضا خاں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ (المتوفی ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے

۱۹۲۰ء / ۱۳۳۹ھ میں دو قومی نظریہ کا احیاء کیا جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا خود فاضل بریلوی دوسرے سال رحلت فرما گئے مگر وہ اپنے پیچھے ایسی جماعت چھوڑ گئے جنہوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا۔ جناب محمد صادق قصوری کی کتاب "اکابر تحریک پاکستان" ۱۹۷۶ء میں گجرات سے شائع ہوئی ہے جو اس پہلو پر سیر حاصل روشنی ڈالتی ہے۔ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور سے شائع شدہ کتاب "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" (جلد نہم ص ۹۲۰) میں حضرت فاضل بریلوی کی سیاسی خدمات کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:۔

"سیاسی تحریکوں کے آغاز پر جب مسلمانوں کو ہندوستان چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر آمادہ کیا گیا جس سے ہزاروں مسلمان اپنے گھر بار چھوڑ کر افغانستان کی طرف کوچ کرنے لگے تو مولانا احمد رضا نے اس ہجرت کے خلاف فتویٰ دے کر مسلمانوں کو اس سیاسی غلطی سے بچانے کی کوشش کی۔ اسی طرح ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کی موالات کی تحریک کی بھی آپ نے مخالفت کی اور ان مسلمان لیڈروں کی مذمت کی جو گاندھی وغیرہ کو اپنی مساجد میں لے جا کر تقریریں کرانے لگے تھے"

حضرت فاضل بریلوی کی حیات ہی میں جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی گئی ۱۹۱۹ء میں اس نے اپنا کام شروع کیا اس جماعت نے "اتمام حجت تامہ" کے عنوان سے ستر سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ ترک موالات کے حامی علماء کی خدمت میں پیش کیا اور اور فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف نے ایک قومی نظریہ پر صدر جمعیۃ العلماء ہند مولانا آزاد سے تبادلہ خیال کیا، اس کے علاوہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ حضرت فاضل بریلوی) نے دہلی جا کر مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات کی اور ان کو ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا بعد میں علامہ اقبال اور حضرت قائد اعظم نے بھی اس کی اہمیت کو سمجھا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ۱۹۴۰ء / ۱۳۵۹ھ میں مسلم لیگ کے ایک عظیم جلسے میں دو

قومی نظریہ کی بنیاد پر ہی مطالبۂ پاکستان پیش کیا گیا۔ علماء اہلسنت (مسلک بریلوی) اور قومی نظریہ کے داعی تھے اس لیے انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے پلیٹ فارم سے جو کہ خود مولانا کی تحریک پر قائم ہوئی تھی پاک و ہند میں دو قومی نظریہ کو پھیلایا اور اس مقصد کے لیے ملک کے طول و عرض میں دورے کیے ۱۹۴۵ء / ۱۳۶۵ھ میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا گیا اور ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو بنارس میں چار روزہ اجلاس بلایا گیا جس میں پاک و ہند کے تقریباً پانچ ہزار علماء کرام و مشائخ عظام شریک جلسہ ہوئے اور اجلاس عام میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ اشخاص کا اجتماع ہوا۔ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (خلیفہ حضرت فاضل بریلوی) نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس اور اجمیر شریف میں ۱۹۴۶ء میں جو اجلاس منعقد ہوا تھا اس میں جو صدارتی خطبے دیئے تھے وہ کتاب "اکابر تحریک پاکستان" (مطبوعہ لاہور) میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

سانحہ ارتحال

حضرت فاضل بریلوی نے مذہبی، علمی اور سیاسی سطح پر کارہائے نمایاں انجام دیئے یہ اہل علم و فضل کی توجہ کے مستحق ہیں اور ان کارناموں پر ملت اسلامیہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ صد حیف یہ قابل فخر ہستی بریلی شریف میں ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء یوم جمعۃ المبارک کو اس دنیا سے اٹھ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

موافق و مخالف سب ہی نے اس حادثہ عظیم پر رنج و غم کا اظہار کیا چنانچہ مسلک دیوبندی کے مشہور عالم مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے تاثرات کا اس طرح اظہار فرماتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں کی رحلت عالم اسلام کا بہت بڑا سانحہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے" (ماہنامہ "ھادی" دیوبند، ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص ۲۱)

اولاد

حضرت فاضل بریلوی کو خداوند قدوس نے دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔ دونوں صاحبزادگان کو اللہ نے خاص فضل سے نوازا

حضرت علامہ شاہ حامد رضا خاں قدس سرہٗ العزیز ماہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء
بریلی شریف (یوپی) میں تولد ہوئے جو ایک جلیل القدر عالم و عارف تھے۔
۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء میں انتقال فرمایا۔

دوسرے فرزند مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خاں مدظلہ العالی ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے ان کا نام محمد رکھا گیا اور عرفی نام مصطفےٰ رضا تجویز ہوا۔ اس وقت موصوف حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہیں اور پاک و ہند کے ممتاز عالم و مفتی ہیں۔

خلفاء حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء کی تعداد کا صحیح تعین مشکل ہے کیونکہ بعض کو آپ نے تحریری اجازت و خلافت دی اور بعض کو زبانی آپکے خلفاء پاک و ہند اور حرمین شریفین میں کثیر تعداد میں ہیں، محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ایک سو ہوں گے جن حضرات کے نام معلوم ہو سکے ان کی تفصیل یہ ہے۔

خلفائے حرمین شریف

(۱) شیخ عبدالحی بن عبدالکبیر

(۲) شیخ اسماعیل خلیل
(۳) شیخ مصطفےٰ خلیل مکی
(۴) شیخ مامون البری المدنی
(۵) شیخ اسعد الدھان
(۶) شیخ عبدالرحمٰن
(۷) شیخ بن حسین مفتی مالکیہ
(۸) شیخ علی بن حسین
(۹) شیخ حسین جمال بن عبدالرحیم
(۱۰) شیخ عبداللہ بن ابی الخیر
(۱۱) شیخ عبداللہ دحلان
(۱۲) شیخ بکر رفیع
(۱۳) شیخ حسن العجیمی
(۱۴) شیخ الدلائل سید محمد سعید
(۱۵) سید محمد ابراہیم مدنی

۱۶۔ شیخ عمر بن حمدان
۱۷۔ شیخ احمد خضراوی المکی
۱۸۔ شیخ ابوالحسین
۱۹۔ شیخ محمد جمال
۲۰۔ شیخ صالح کمال
۲۱۔ سید سالم بن عیدروس
۲۲۔ سید علوی بن حسن
۲۳۔ سید ابوبکر بن سالم
۲۴۔ شیخ محمد بن عثمان
۲۵۔ شیخ محمد یوسف
۲۶۔ شیخ عبدالقادر
۲۷۔ شیخ عبداللہ فرید
۲۸۔ شیخ محمد سعید بن سید محمد
۲۹۔ سید عمر بن ابوبکر
۳۰۔ مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی مدظلہ العالی

یہ وہ علماء حرمین ہیں جن کو تحریری اجازت نامے مرحمت فرمائے، بہت سے حضرات کو زبانی اجازت مرحمت فرمائی ان کی تعداد کا علم دشوار ہے۔ پاک و ہند کے جن خلفاء کے نام معلوم ہو سکے، ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مولانا حامد رضا خاں
۲۔ مولانا مصطفےٰ رضا خاں
۳۔ مولانا ظفر الدین
۴۔ مولانا سید دیدار علی شاہ
۵۔ مولانا امجد علی اعظمی
۶۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی
۷۔ پروفیسر سید سلیمان اشرف
۸۔ مولانا امیر مومن علی مومن جنیدی
۹۔ مولانا احمد اشرف بہاری
۱۰۔ مولانا احمد مختار صدیقی
۱۱۔ مولانا عبدالاحد قادری
۱۲۔ مولانا لعل محمد خاں مدراسی
۱۳۔ مولانا محمد رحیم بخش آروی
۱۴۔ مولانا محمد شفیع بیسلپوری
۱۵۔ مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
۱۶۔ مولانا محمد حسنین رضا خاں
۱۷۔ مولانا محمد شریف کوٹلی لوہاراں
۱۸۔ مولانا امام الدین کوٹلی لوہاراں

۱۹- مولانا مفتی غلام جان ہزاروی — ۲۰- مولانا احمد حسین امروہی

۲۱- مولانا عبد السلام جبل پوری — ۲۲- مولانا سید محمد حسین بریلوی

۲۳- مولانا محمد برہان الحق جبل پوری — ۲۴- مولانا سید فتح علی شاہ

۲۵- مولانا ابو البرکات سید احمد قادری — ۲۶- مولانا عمر الدین ہزاروی

۲۷- مولانا شاہ محمد حبیب اللہ قادری — ۲۸- مولانا قاضی عبد الوحید عظیم آبادی

۲۹- مولانا قاری محمد بشیر جبل پوری — ۳۰- مولانا عبد اللہ کرتوری

۳۱- مولانا عبد الحق پیلی بھیتی — ۳۲- مولانا عزیز الحسن پھپھوندوی

۳۳- مولانا عبد العزیز خان بجنوری — ۳۴- مولانا محمد اسمٰعیل فخری سلیمانی

۳۵- مولانا حامد علی فاروقی — ۳۶- مولانا غلام عباس شاہ

۳۷- مولانا عبد السلام باندوی — ۳۸- مولانا سید نور الحسن نگینوی

۳۹- مولانا رحم الٰہی منگلوری — ۴۰- حکیم عزیز غوث بریلوی

۴۱- مولانا سید غلام جان جودھپوری — ۴۲- مولانا محمد اسمٰعیل پشاوری

۴۳- مولانا یقین الدین بریلوی — ۴۴- مولانا حاجی کفایت اللہ

حضرت فاضل بریلوی کے تلامذہ کی فہرست بھی کافی طویل ہے

چند اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱- مولانا حسن رضا خاں — ۲- مولانا محمد رضا خاں

۳- مولانا حامد رضا خاں — ۴- مولانا سید احمد اشرف

۵- مولانا سید محمد جیلانی کچھوچھوی — ۶- مولانا ظفر الدین بہاری

۷- مولانا عبد الواحد پیلی بھیتی — ۸- مولانا حسنین رضا خاں

۹- مولانا سلطان احمد خاں — ۱۰- مولانا سید امیر احمد

۱۱- مولانا حافظ یقین الدین — ۱۲- مولانا حافظ عبد الکریم

۱۳- مولانا سید نور احمد چاٹگامی — ۱۴- مولانا نواب مرزا

۱۵- مولانا واعظ الدین — ۱۶- مولانا عبد الرشید عظیم

۱۷- مولانا شاہ غلام محمد بہاری — ۱۸- مولانا حکیم عزیز غوث

۱۹- حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے سوانح حیات کی یہ مختصر سی جھلک تھی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی زندگی، علمی خدمات، سیاسی خدمات، خلفاء، تلامذہ وغیرہ پر مستقل مقالوں کی ضرورت ہے ملک کے دانشوروں کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

پروفیسر معراج الدین قریشی
گورنمنٹ کالج [illegible]

ماخذ

۱- ڈاکٹر محمد مسعود احمد فاضل بریلوی اور ترک موالات مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

۲- ڈاکٹر محمد مسعود احمد فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

۳- محمد صادق قصوری خلفائے اعلیٰ حضرت مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

۴- فیاض محمود و ڈاکٹر عبادت بریلوی، تاریخ ادبیات مسلمان پاکستان و ہند، جلد نہم، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۲ء

۵- محمد دین کلیم "امام اہل سنت حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا لاہور پر فیضان" ماہنامہ عرفات خصوصی نمبر ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۶ء (لاہور)

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جُز بہ قرآں زیستن

اشاعت قرآن

ہماری دینی اور دنیوی فلاح کا واحد ذریعہ قرآنی تعلیمات ہیں۔ جنہیں فراموش کرکے ہم آج گوناگوں مسائل سے دوچار ہیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے اس کی وسیع تر اشاعت آج کی اہم ضرورت ہے۔

اس بے مثال دینی خدمت میں حصہ لے کر آپ اجرِ عظیم کے ساتھ ساتھ معقول مالی فائدہ بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ ہم آپ کو نفع و نقصان میں برابر شراکت کی بنیاد پر رقم لگانے کی دعوت دیتے ہیں۔

آپ چاہیں تو آپ کے حصہ کے منافع سے مستحق افراد میں بلاقیمت قرآن مجید اور دینی کتب تقسیم کی جاسکتی ہیں جس کا اجر و ثواب مالی فائدہ سے یقیناً کہیں بہتر ہے۔

تفصیلات کے لیے جوابی لفافہ ارسال فرمائیں

عظیم پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۱۹۹۶ لاہور

کیا یہ کتابیں آپ نے پڑھی ہیں

سیّد احمد بریلوی کے افسانۂ جہاد کی حقیقت

از:- سیّد نور محمّد قادری

قیمت -/4 روپے

رائے بریلی سے بالاکوٹ تک

ترتیب و تقدیم

پروفیسر محمد احسان الحق

قیمت 4/50 روپے

کھلی چٹھی بنام جمعیۃ العلماء ہند و مجلس احرار الاسلام

تقدیم محمد جلال الدین قادری

قیمت :- دو روپے

ہندوؤں سے ترکِ موالات

منشی تاج الدین احمد تاج

قیمت 3/50 روپے

عظیم پبلی کیشنز، پوسٹ بکس نمبر ۱۹۹۶ لاہور

دارالعلوم دیوبند

کے جشنِ صد سالہ کے سلسلہ میں

جناب مختار جاوید کا ناقابلِ فراموش شاہکار

دارالعلوم دیوبند کے ۱۰۰ سال

☆ برصغیر پاک و ہند کی گذشتہ صد سالہ تاریخ کے مختلف ادوار میں دارالعلوم دیوبند کے کردار کا مختصر مگر ہمہ جہت، جامع جائزہ۔

☆ دل آویز و دل نشین اسلوب تحریر

☆ حقائق سے پُر معلومات کا مُرقع

☆ سرورق پر دارالعلوم کی خوب صورت تصویر

☆ سفید و دبیز کاغذ، اعلیٰ کتابت، معیاری آفسٹ طباعت اور حسین وجمیل گرد و پوش

طلبہ اور دینی مدارس کے لیے خصوصی رعایت

قیمت: صرف چار روپے علاوہ محصول ڈاک

عظیم پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۱۹۹۶ لاہور

عظیم پبلی کیشنز کی عظیم پیشکش

جناب حسنین رضا خاں قادری
کی بلند پایہ تصنیف

دنیائے اسلام کے اسبابِ زوال

قیمت: ۲۰/= روپے

جس میں فاضل مصنف نے

مسلمانانِ عرب و عجم کی رُوداد غم اور عالمِ اسلام کی داستان الم
انتہائی پُر اثر اور دل نشیں پیرائے میں تاریخی واقعات
اور قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کی ہے

زبان شستہ • انداز دلکش • حوالے مستند • دلائل قاطع •
عمدہ کاغذ • اعلیٰ کتابت • معیاری آفسٹ طباعت اور حسین و مضبوط جلد

ملنے کا پتا
عظیم پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۱۹۹۶ **لاہور**